ماہنامہ

# ترجمان القرآن

فروری، جون، جولائی، اگست، ستمبر، اکتوبر

جنوری 91

جاری کردہ:

مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

# معرکۂ اسلام اور سرمایہ داری

از: سید قطب شہید (ؒ)

ترجمہ:
پروفیسر میاں منظور احمد ایم۔ اے

- سرمایہ داری انسانی معاشرے کی خون پینے والی جونک ہے۔
- سرمایہ داری، ظلم، خونخواری اور برادرکشی کا نام ہے۔
- سرمایہ داری، نفس پرستی، مفاد پرستی اور زر پرستی کا مظہر ہے۔
- اسلام، خالقِ کائنات کا عدل و انصاف پر مبنی نظامِ حیات ہے۔
- اسلام، ربّ العٰلمین کا نظامِ ربوبیت ہے۔
- اسلام، کمزوروں، ضعیفوں، مجبوروں اور لاچاروں کا پشت پناہ اور دستگیر ہے۔
- وہ سارے مسائل جو سرمایہ داری نے پیدا کیے ہیں ان کا حل اشتراکیت نہیں اسلام میں ہے۔
- وہ سارے مسائل جو طبقاتی تصادم اور ظلم و ستم کا باعث ہیں اسلام کی اخوت و مساوات اس کا حل ہے۔
- معرکۂ اسلام اور سرمایہ داری میں دونوں کا گہرا مطالعہ کیجیے۔

قیمت: ۲۴ روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ
اردو بازار، لاہور

# ماہنامہ ترجمان القرآن

جاری کردہ :

مولانا سید ابو الاعلیٰ مودودیؒ

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ، اچھرہ، لاہور (پاکستان)

ماہنامہ **ترجمان القرآن** لاہور

رجسٹرڈ نمبر ایل: ۵۳۴۰

جلد ۱۱۴ جنوری ۱۹۹۱ء - جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ عدد ۵

# فہرست مضامین



رابطہ و ترسیلِ زر کے لیے: ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ۔ رحمٰن مارکیٹ، اردو بازار، لاہور

فون نمبر: ۶۸۶۳۶ - ۳۲۴۴۶۸ پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳

فی پرچہ: ۶ روپے زرِ سالانہ: ۶۰ روپے

سید حسین فاروق مودودی نے ایچ فاروق ایسوسی ایٹس لمیٹڈ لاہور سے چھپوا کر دفتر ترجمان القرآن، اچھرہ لاہور سے شائع کیا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# اشارات

ہم نے ۱۹۴۱ء سے طریقِ انبیاء علیہم السّلام پر کام کرنے کا بیڑہ اُٹھایا، اور ایک لمبا عرصہ ہر قسم کی تنگ حالی اور مصائب کے باوجود بہت اطمینان سے گزرا۔ کبھی ذہن اُلجھا نہیں کہ کہیں ہم صحرائے حیات کی یونہی آوارہ گردی تو نہیں کر رہے یا جادۂ اقدام کو بار بار بدل کر تجربے تو نہیں کر رہے اور ان تجربوں کی وجہ سے ہم اپنے مقصد و منزل کی سمت کھو تو نہیں بیٹھے۔ نہ ہمیں کبھی رتی بھر یہ شبہ ہوا کہ ہماری گاڑی کے ڈرائیور کہیں اپنے نئے ذہنی منصوبوں پر تو نہیں چل پڑے اور ساتھ ہمیں بھی گھسیٹ نہیں رہے۔ نہ یہ اندیشہ کہ جو کوئی بھی سربراہ بنا وہ رفتارِ نتائج کو بدلنے کے لیے طریقِ انبیاء میں تغیر کر کے کوئی نیا راستہ دریافت کرنے کے چکر میں ہو تاکہ کوئی اچنبھے کا کام کر دکھائے۔ کبھی ہمارا تشخص دھندلایا نہیں۔ اُصول، قدریں اور معیارات بدلے نہیں، کبھی دوسروں کی ریس اور نقالی کا رجحان ہم میں نہیں پیدا ہوا جو احساسِ کہتری کا نتیجہ ہوتا، کبھی مایوسی نہیں ہوئی کہ اب ہمارے لیے دعوت کا میدان تنگ ہو گیا ہے اور ہمارے دہقان مزاج کارکن پنیری لگانے کے تھکا دینے والے بے کیف کام میں فرار کرنے لگے ہیں۔ کبھی اجتماعی فیصلوں میں دھندلاپن یا دو رخاپن ایسا نہیں پایا گیا جو ہمارے ساتھیوں کو اُلجھا دے۔ کبھی عام حلقوں میں شکوک و شبہات اور چہ میگوئیاں فروغ نہیں پاسکیں۔ ہمارے ہاں سیاست کا کام پہلے سے ہو رہا تھا مگر اس کی باگ ڈور دین کے ہاتھ میں تھی اور ساری سرگرمیاں دینی مفاد اور تقاضوں کے مطابق ہوئیں۔

سوال یہ ہے کہ کیا آج بھی عین یہی حالت ہے اور آئندہ بھی ہم اس کو نبھا سکتے ہیں؟

---

طریقِ انبیاء (اور اسوۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے مطابق صلاح و فلاح کا کام کرنے سے مراد یہ ہے کہ ایک تو ملّت کی بہبود اور پوری انسانیت کی تعمیرِ نو کے لیے دعوت الی اللہ کے واحد طریق کو اہمیتِ کاملہ دی جائے، باقی جو کچھ بھی ہو اسی دعوت کے فروغ اور اسی کے عروج اور اسی کے اثر و نفوذ کے لیے ہو۔ جس کام کا ماحصل بندے کا خدا سے رابطہ نہیں؛ وہ خارج از بحث ہے۔

طریقِ انبیائہ (اور اسوۂ محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کا دوسرا مطالبہ میرے مطالعہ کی رُو سے یہ ہے کہ تقریروں اور جلسوں، یا تحریروں اور جرائد و کتب سے جتنا کچھ بھی معاشرے کے ذہنی ماحول پر اثر ڈالا جاسکے، ہر حال میں فرد بہ فرد ملنے اور گفتگو میں کرنے کے سلسلے کو بنیادی اہمیت دی جائے۔ اجتماعی حالات اور سرگرمیاں جو کچھ بھی رہیں، اس بنیادی طریقِ کار کو کبھی ترک نہ کیا جائے، اور اگر کچھ لوگوں کو تحریک دلانے کی ساری کوششیں ناکام ہو جائیں تو ان کو متفق یا حامی کارکنوں کے مقام پر کام سنبھالنے کا مشورہ دے کر رکنیت کے بارِ گراں سے سبک دوش کر دیا جائے۔ ماسوائے ایسے محبانِ تحریک کے جن کے پاس کوئی واضح عذر ہو اور اُسے متعلقہ حلقۂ جماعت قبول کرے۔

اِس کام کا کوئی اور شارٹ کٹ نہیں ہے۔ جتنے افراد کو آپ پوری طرح دین کے لیے مسخر کرلیں گے، وہی کچھ آپ کی اگلی طاقت ہوں گے، ورنہ جلدی ہو تو مجھے بہت ملے گا۔

---

طریقِ انبیائہ (بہ شمولیتِ اسوۂ حسنہ) کے تحت دعوتِ حق کا ایک تقاضا یہ بھی ہے کہ داعیانِ الٰہی اپنی ذاتی اور اجتماعی زندگیوں میں ایک گونہ رنگِ درویشی اختیار کریں۔ ورنہ افراد کی شاندار زندگیاں اور مسرفانہ تقاریب اور تحریک کی مرعوب کُن نمائش کار بان لازمی طور پر مردانِ کار کو ایثار و قربانی کی روش چھوڑ کر دولت سمیٹنے کی طرف متوجہ کر دیں گی جس سے نہ صرف تحریک کا کام ثانوی اہمیت اختیار کرے گا بلکہ افراد میں حصولِ دولت اور حصولِ مفاد

کی ایک ایسی ریس لگے گی جو جماعت کے اندر بھی اثر انداز ہوگی۔ یہ تسلیم کہ تبدیلئ تمدّن سے معیارات میں بڑی تبدیلیاں ہوگئی ہیں۔ مگر ان تبدیلیوں کے بعد بھی طبقۂ غربا، درمیانی طبقہ اور طبقۂ اعلیٰ موجود ہیں۔ کم سے کم آج کے معیارات کے لحاظ سے بھی درمیانہ طبقہ کی حدوں میں رہنا، بلکہ اولیٰ یہ ہے کہ نچلے درمیانہ طبقہ میں رہا جائے۔ اس سے غریب عوام سے رابطہ آسان ہوجاتا ہے اور مفاد اور آرام کی قربانی دینا اور مشقت کرنا بھی دل پسند بن جاتا ہے۔ ایسے درویش مزاج لوگوں میں اگر دولت کے دروازے کھلیں بھی تو وہ حضرت عثمان بن عفانؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور جناب ابوالدحداحؓ جیسے کردار نمودار ہوں گے جو دولت کو تحریک کے قدموں میں بھی ڈالیں گے اور اہل حاجت پر بھی قربان کریں گے۔ عمرؒ بن عبدالعزیز بھی تو تھے جن کے دور میں تمدّن زمانۂ نبوت سے بہت ترقی کر گیا تھا، مگر دریائے تمدن ایک طرف بہتا رہا اور اس کے ساحل میں ایک درویش خلیفہ نے اپنا بوریائے خلافت بچھایا اور راہبوں جیسی زندگی گذار دی۔

آج ان کہانیوں کو ہم لوگ جب اسٹیجوں یا جرائد سے معاشرے کو سنا رہے ہوتے ہیں اور حضوؐر اور صحابہ کرام کی فاقہ مستیوں کا حال بیان کر رہے ہوتے ہیں تو ہمارا اپنا حال یہ ہوتا ہے کہ ہم نے ایک دن کا فاقہ بھی نہیں دیکھا ہوتا۔ ہم نے اپنے عالی شان اسلاف کی طرح اپنے کندھوں سے قیمتی اونی چادریں یا کمبل اتار کر کبھی کسی حاجت مند کو نہیں دیے ہوتے۔ ہم نے اپنے کھانے یا پھلوں کو اٹھوا کر کسی ہمسائے کو، یہ معلوم ہونے پر نہیں بھجوایا ہوتا کہ اس کے بچے بہت ضرورت مند ہیں۔ ہم لوگوں نے کتنی بیواؤں اور کتنے یتیموں اور طلبہ اور مریضوں کی ضروریات کا کسی درجہ میں انتظام اپنے ذمہ لیا ہوتا ہے؟ جماعت کے فنڈ میں چند روپے جمع کرا کے ہم اس سے فارغ ہو جاتے ہیں کہ غریبوں اور مصیبت زدوں کی خدمت کرنی ہے۔

بلکہ ہمارے ہاں سابق روایت یہ تھی کہ جماعتی مناصب پہ کام کرنے کے لیے جن لوگوں کی خدمات طلب کی جاتیں وہ خود جماعت ہی سے کہتے کہ جو کچھ آپ مقرر کر دیں، مجھے تو کام کرنا ہے۔ چنانچہ کم سے کم درجے کی ضروریات کا ایک سرسری اندازہ کر کے کسی شخص

کا معاوضہ مقرر کر دیا جاتا اور وہ اطمینان سے کام میں محو ہو جاتا۔ روزنامہ تسنیم کی ایڈیٹری کے زمانے میں مصباح الاسلام فاروقی[1] جیسا حساس شخص ایک انقلابی جذبہ ایثار کے تحت بھنے ہوئے چنے کھا کر بھی گذارا کر تا تھا۔ بعد میں وہ شعبہ نشر و اشاعت کے ناظم ہوئے (بعد فوجی افسری کو چھوڑ کر آئے تھے) ان کے مقابلے میں آج کا تو ایک دفتری معاون اور ڈرائیور بھی مروجہ معیارات کے مطابق لڑ جھگڑ کر تنخواہیں اور ترقیاں مانگتے ہیں ۔ کیوں نہ مانگیں کہ اب ہمارے دفتری نظام میں سکیل اور ترقیاں، اضافے اور بونس سب مقرر ہو چکے ہیں۔ بایں ہمہ دولت کا جادو اتنا زوردار ہے کہ سکیلوں سے بھی بات آگے نکل جاتی ہے۔ پھر دفاتر کی توسیع اور عہدوں اور ملازمتوں کی تکثیر اتنی ہے کہ اس کی وجہ سے " افراد زیادہ اور کام کم " کی صورت پیدا ہو گئی ہے، جب کہ پہلے افراد کم اور کام زیادہ " کا نقشہ تھا۔ پہلے رضاکار کارکن بہت زیادہ کام کرتے تھے، اب وہ یہ دیکھتے ہیں کہ ہر کام کے لیے ہمہ وقتی ملازم بکثرت موجود ہیں، اب ہماری ضرورت نہیں، یعنی ان میں پہلا سا جذبہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔

---

طریق انبیاء پہ کام کرنے والوں کے لیے قرآن و حدیث کے سرچشمہ ہائے علم سے مسلسل رابطہ رکھنا اور بڑھانا ضروری ہے۔ اسی ضمن میں جماعت کے عقیدہ، نصب العین، نقشہ تنظیم اور طریق کار کو واضح کرنے کے لیے جو لٹریچر برسوں میں قرآن و حدیث کے دلائل اور اسوۂ نبوت اور خلافت راشدہ کے نظائر کی بنیادوں پر تیار کیا گیا ہے، اس کا مطالعہ کرنا دین اور لادینیت کی موجودہ کشمکش اور فرقہ وارانہ چشمکوں اور قسم قسم کی تنظیموں کے

---

[1] آج اس شخص کی بیوہ اور اس کے بچوں کا حال تو کجا، کراچی کے اپنے حلقوں سے یہ پتا تک نہ چل سکا کہ وہ اب ہیں کہاں؟ یوں ہم اپنے اہم ساتھیوں کی قبروں اور ان کے پس ماندگان سے رو گرداں ہو کر جہاد اقامت دین میں مصروف رہتے ہیں۔

رنگ ڈھنگ کے طور طریقوں کے اس پیچیدہ دور میں نہایت لازم رکھا گیا ہے، اور یہ لٹریچر بھی قرآن و حدیث کی تعلیمات اور ان تعلیمات کے علمبرداروں کے کارناموں سے ہم کو قریب تر کرتا ہے۔ دورِ حاضر کی زبان میں دین کے حقائق اور ان کے وسیع تر تصورات سامنے آتے ہیں اور نت نئی اُلجھنیں صاف ہو جاتی ہیں۔

سالہا سال سے قرآن و حدیث کے لیے سچے جذبۂ وابستگی اور جماعت کے رہنما لٹریچر کے ضروری مطالعہ کے بغیر ہمارے ہاں دستوری اور روایتی طور پر رکنیت نہیں مِل سکتی تھی۔ اگر ہم اپنے مختلف اہم معیارات کے ساتھ اس معیار کو بھی نظر انداز کر دیں تو معاملہ رکنیت کے نظام کے درہم برہم ہونے تک ہی نہیں رُک جائے گا، بلکہ جاہ و منصب کے نہایت مضبوط معیارات بھی تباہ ہو جائیں گے۔ اگر کبھی ایسا ہوا تو خدانخواستہ نام چاہے آپ جماعتِ اسلامی سے بھی زیادہ شاندار رکھ لیں اور عددیت کی بڑھوتری آکاس بیل کی طرح زوروں پر ہو، تب بھی طریقِ انبیاء پر کام کرنا ناممکن ہوگا۔ اور طریقِ انبیاء (خصوصاً اسوۂ خاتم النبیینؐ) سے ہٹ کر کسی راستے پر چلنے سے اقامتِ دین کی منزل تو نہیں مِل سکتی، اور بہت کچھ مل سکتا ہے۔

---

طریقِ انبیاءؑ پر کارِ دعوت کرنے والوں کے لیے ایک شرطِ لازم یہ ہے کہ وہ عملی کردار کے لحاظ سے اپنے عقیدہ، اخلاقی تصورات، تنظیمی معیارات اور اسلامی تہذیبی قدروں کے لحاظ سے ایک خوش آئند اور پُرکشش نمونۂ انسانیت ہوں۔ لوگ اُن کو دیکھ کر محسوس کریں کہ یہ ایک اونچا اور پیارا آدمی ہے اور اس کے ساتھ چلنا باعثِ عزت ہے!

اچھا پہن لینے اور اچھا کھا لینے، اور اعلیٰ عمارتوں میں جدید ترین سامانوں سے لیس ہو کر بیٹھنے، اکابر سے ملنے، شاندار تقریروں اور تحریروں اور مرعوب کُن جلسوں اور جلوسوں سے تحریک اقامتِ دین کی اصل قوت نہیں واضح ہوتی۔ اصل قوت تو اس پر منحصر ہوتی ہے کہ کون کتنا راست باز، نصفت شعار اور فیاض ہے؟ کون پاسِ عہد

میں کیا مقام رکھتا ہے، کس میں کتنا انکسار اور ایثار ہے، کون دیانت و امانت سے آراستہ ہے، کون اہل خانہ کے ساتھ، ہمسایوں کے ساتھ، ہم سفروں کے ساتھ اور دیگر تمام سماجی رابطوں کے دائروں میں اپنے ایک ایک قول و فعل سے یہ تاثر چھوڑتا ہے کہ یہ شخص خدا پرستانہ اخلاق کا عکس اپنے اندر رکھتا ہے۔ خصوصیت سے لین دین میں، کاروباری امور میں، حصہ دارانہ مسائل میں عالی ظرف اور قابل اعتماد ہے۔ کون اختلافی مسائل میں بحث کرتے ہوئے صبر و تحمل سے گفتگو کرتا ہے، اپنی منوانے کے بجائے دوسروں کی بھی سنتا ہے۔ اور اپنی چیز فقط دلائل کے زور سے منواتا ہے، دھونس یا غصے سے نہیں، اسی طرح دوسروں کی ہر اس بات کو شکریہ کے ساتھ قبول کرتا ہے جو وزنی دلائل کے ساتھ آتی ہو۔ وہ دوسروں کو بآسانی معاف کر دیتا ہے اور دوسروں سے اپنی غلطی کی معافی چاہتا ہے۔ عہدہ بر ہو تو ساتھیوں سے مساویانہ و برادرانہ طرز پر مشورہ لیتا ہے، لوگ تنقید کریں تو ٹھنڈے دل سے سنتا ہے۔ پھر اگر سیاست کے میدان میں آئے تو وہ ہر قسم کی چالبازیوں اور مغالطہ انگیز طریقوں سے پرہیز کر کے راست گوئی اور حق بیانی کی راہ اختیار کرتا ہے۔ دوسرے جو شاطرانہ اور دسیسہ کارانہ انداز کے خوگر ہیں، ان کے ذہنوں اور مکر و فسوں اور طریق کار کو سمجھتا خوب ہے، مگر خود شاطرانہ سیاست کا راستہ اختیار نہیں کرتا۔ اول تو اپنے اصول و معیارات کے تحفظ کے لیے مخالفین سے اتحاد نہیں بناتا اور اگر بعض ناگزیر حالات میں ایسا کرنا پڑے تو اپنے غیر متبدل اصول و معیارات کے تحفظ کی گارنٹی پہلے لیتا ہے۔ اتحاد کا معاہدہ کر لینے کے بعد اس میں رخنہ اندازیاں نہیں کرتا۔ ذرا ذرا سے نفع و نقصان یا پسند و ناپسند کی بنا پر دوسروں سے غیر معتدل، غیر حلیمانہ، غیر حکیمانہ اور غیر صابرانہ طرز معاملہ اختیار نہیں کرتا۔ یعنی وقار کے معیار کو چھوڑ کر چھچھورپن کا طریقہ نہیں اپناتا۔ اتحاد کے معاملات میں مارکٹنگ کی طرح بھاؤ تاؤ (BORGAINING) نہیں کرتا، اپنی تھوڑی قوت کو زیادہ دکھانے کے لیے نمائشی مظاہرات کے لیے مسرفانہ اہتمام نہیں کرتا۔ اس طرح کا وسیع دائرہ کردار ہے جو اسلامی تحریک میں درکار ہے۔

علو کردار یا با اصولیت کے لیے ذوقِ استعجال بھی تباہ کن ہوتا ہے جس سے قرآن میں منع کیا گیا ہے۔ یعنی جس کام کی جو فطری رفتار کسی معاشرے یا ماحول میں ممکن ہے، اگر آپ اس سے بار دل ہو کر یہ چاہیں کہ تیزی سے آپ بڑی طاقت بن جائیں، تیزی سے آپ برسرِ تمکن ہوسکیں اور تیزی سے آپ معاشرے کی سیاسی و معاشی زندگی کے سوتِ چشمہ پہ قابو پالیں جب کہ صحیح اصول و کردار کے ساتھ اسلام کے انقلابی جادۂ دعوت پر پیش قدمی کرتے ہوئے ایسا ہونا جلد ممکن نہ ہو تو پھر آپ اس کے سوا اور کیا کریں گے کہ تحریکِ اقامتِ دین کے اُصولوں اور طریقِ کار اور طریقِ تنظیم میں تبدیلیاں کریں اور رکاوٹوں اور حدوں کی تعداد روز بروز گھٹاتے جائیں۔ ایسی جلدی کے نتیجے میں اوّل تو ساری مساعی بکھر جانے کا اندیشہ ہوتا ہے، ورنہ اگر کچھ بنے بھی تو اسلامی نظام تو نمودار نہیں ہوسکتا (ماسوا بعض جزوی اور نا تمام چیزوں کے)، بنے گا تو کوئی اور ہی نظام بنے گا۔ سو ایسا تو ہو ہی رہا ہے، ہم ہوں یا نہ ہوں۔

پس اپنے عقیدہ، نصب العین، طریقِ کار، تشخص اور کردار کی حفاظت ضروری ہے کہ دار پر ایک حملہ ذاتی خواہشات اور مفاد کا ہوتا ہے اور دوسرا اجتماعی کش مکش کے دباؤ کی وجہ سے، جب کہ کوئی قوت اپنی بساط سے زیادہ بڑی اُلجھنوں میں کود سے یا اقتدار کی سیاسی و انتخابی دوڑ میں اتنی زیادہ محویت اختیار کرے کہ دین پیچھے سے پکارتا ہی رہ جائے، جیسے حضورؐ نے غزوۂ حنین میں آواز دی تھی کہ "اِلَیَّ عِبَادَ اللہ" وہاں تو اتنے اچھے تیار شدہ مردانِ حق تھے کہ پُکار کر فوراً پلٹے، لیکن ہم جس ماحول کے پروردہ ہیں اور جن قوتوں میں گھرے ہوئے اور جن کمزوریوں کے حامل ہیں، شاید کسی موقع پر دین کی پکار سُن ہی نہ سکیں۔

لہٰذا احتیاط!

---

تذکرہ کی یہ باتیں دوسروں سے بڑھ کر چونکہ میری اپنی ضرورت ہیں، اس لیے کبھی کبھار ان کو چھیڑ کر اپنے شعور و احساس کا زنگ اُتارنے کی کوشش کرتا ہوں۔

یہ باتیں اس لیے ضروری ہیں کہ ہم سب لوگ چاروں طرف سے لادینیت اور نفس پرستی کے ٹھاٹھیں مارتے سیلابی پانی کے درمیان گھرے ہیں جو جسموں تک ہی نہیں، دلوں اور دماغوں تک نفوذ کرتا ہے اور ایمان و شعور تک میں جاکر خلط ملط ہو جاتا ہے۔ اور شیاطین اِس سیلابِ غلاظت میں پہاڑ جیسی موجیں اچھالتے ہیں۔ ان موجوں سے کوئی پناہ ہے تو تحریکِ اقامتِ دین کے سفینۂ نوحؑ ہی میں ہے۔ اور یہ سفینہ دعوت اِلی اللہ ہی کے چپوؤں سے اپنے نصب العین کے کوہِ جُودی کی طرف رواں رہتا ہے۔

---

## تصحیح بہ سلسلہ شمارہ گذشتہ

۱۔ ص ۴ کی قرآنی عبارت کے اعراب لگا لیے جائیں۔

۲۔ ص ۱۲۔ سطر آخری سے تیسری "جانے" کے بجائے "خانے"

۳۔ ص ۱۴۔ وکفیٰ بنفسک علیک الیوم حسیبا کے بجائے

کَفٰی بِنَفۡسِكَ الۡیَوۡمَ عَلَیۡكَ حَسِیۡبًا۔

۴۔ ص ۱۵۔ سطر آخری سے چوتھی "پہچاں" کے بجائے "پہچان"

۵۔ ص ۱۸۔ سطر آخری سے دوسری مرطبیات کے بجائے "مرضیات"

۶۔ ص ″ ″ ″ ″ لے لوثی کے بجائے "بے لوثی"

# حکمتِ سیّد مودودیؒ

## حضرت عیسیٰؑ اور حکومتِ الٰہیہ کا مینی فسٹو

ہمارے عیسائی بھائی کرسمس اور نوروز کی تقریبیں منا کر نیا سال شروع کر رہے ہیں۔ اس موقع پر ان کے سامنے عیسیٰ علیہ السّلام کا پیغام انجیل ہی سے اخذ کردہ پیش کیا جارہا ہے۔ (ادارہ)

---

مسیح علیہ السّلام محض ایک دھرم کا پرچار کرنے نہیں اُٹھے تھے بلکہ پورے نظامِ تمدن و سیاست کو بدل دینا ان کے پیشِ نظر تھا جس میں رُومی سلطنت، یہودی ریاست، فقیہوں اور فریسیوں کے اقتدار اور فی الجملہ تمام بندگانِ نفس و ہوائے نفس سے جنگ کا خطرہ تھا۔ اِسی لیے وہ لوگوں کو کُھلے الفاظ میں بتا دیتے تھے کہ جو کام مَیں کرنے جا رہا ہوں وہ نہایت خطرناک ہے اور میرے ساتھ اُسی کو آنا چاہیے جو ان تمام خطرات کا مقابلہ کرنے کے لیے تیار ہو۔

"شریر کا مقابلہ نہ کرنا بلکہ جو کوئی تیرے داہنے گال پر طمانچہ مارے، دوسرا بھی اُس کی طرف پھیر دے۔ اور اگر کوئی تجھ پر نالش کر کے تیرا کرتا لینا چاہے تو چوغہ بھی اسے لے لینے دے اور جو کوئی تجھ کو ایک کوس بیگار میں لے جائے اُس کے ساتھ دو کوس چلا جا" (متی ۵: ۳۹-۴۱)

"جو بدن کو قتل کرتے ہیں اور رُوح کو قتل نہیں کر سکتے ان سے نہ ڈرو بلکہ ان سے ڈرو جو رُوح اور بدن دونوں کو جہنم میں ہلاک کر سکتا ہے۔" (متی ۱۰: ۲۸)

"اپنے واسطے زمین پر مال جمع نہ کرو جہاں کیڑا اور زنگ خراب کرتا ہے اور جہاں چور نقب لگاتے اور چراتے ہیں، بلکہ اپنے لیے آسمان پر مال جمع کرو"۔ (متی ۶ : ۱۹-۲۰)

"کوئی آدمی دو مالکوں کی خدمت نہیں کر سکتا ...... تم خدا اور دولت دونوں کی خدمت نہیں کر سکتے ...... اپنی جان کی فکر نہ کرو کہ ہم کیا کھائیں گے یا کیا پئیں گے، اور نہ بدن کی کہ کیا پہنیں گے ...... ہوا کے پرندوں کو دیکھو نہ بوتے ہیں نہ کاٹتے ہیں نہ کوٹھیوں میں جمع کرتے ہیں پھر بھی تمہارا آسمانی باپ اُن کو کھلاتا ہے۔ کیا تم ان سے زیادہ قدر نہیں رکھتے؟ تم میں ایسا کون ہے جو فکر کر کے اپنی عمر میں ایک گھڑی بھی بڑھا سکے؟ اور پوشاک کے لیے کیوں فکر کرتے ہو؟ جنگلی سوسن کے درختوں کو دیکھو کہ وہ کس طرح بڑھتے ہیں۔ وہ نہ محنت کرتے ہیں، نہ کاتتے ہیں۔ پھر بھی میں تم سے کہتا ہوں کہ سلیمانؑ بھی باوجود اپنی شان و شوکت کے ان میں سے کسی کے مانند پوشاک پہنے ہوئے نہ تھا۔ پس جب خدا میدان کی گھاس کو جو آج ہے اور کل تنور میں جھونکی جائے گی ایسی پوشاک پہناتا ہے تو اے کم اعتقادو! تم کو کیوں نہ پہنائے گا؟ ...... تم پہلے اس کی بادشاہت اور اس کی راست بازی کی تلاش کرو تو یہ سب چیزیں بھی تمہیں مل جائیں گی"۔ (متی ۶ : ۲۴ تا ۳۱)

"مانگو تو تمہیں دیا جائے گا۔ ڈھونڈو تو تم پاؤ گے۔ دروازہ کھٹکھٹاؤ تو تمہارے لیے کھولا جائے گا"۔ (متی ۷ : ۷)

عام غلط فہمی ہے کہ سیدنا مسیحؑ نے رہبانیت اور ترک و تجرید کی تعلیم دی تھی۔ حالانکہ اس انقلابی تحریک کے آغاز میں لوگوں کو صبر، تحمّلِ شدائد اور توکل علی اللہ کی تعلیم و تربیت دیئے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں۔ جہاں ایک نظامِ تمدن و سیاست پوری طاقت کے ساتھ زمین پر چھایا ہوا ہو اور تمام وسائل و ذرائع زندگی اس کے قبضہ و اختیار میں ہوں ایسی جگہ کوئی جماعت انقلاب کے لیے اُٹھ نہیں سکتی۔ جب تک کہ وہ جان و مال

کی محبت دل سے نکال نہ دے، سختیاں اُٹھانے کو تیار نہ ہو جائے۔ اپنے بہت سے فوائد کو قربان کرنے اور بہت سے نقصانات گوارا کرنے کے لیے آمادہ نہ ہو۔ حاضر الوقت نظام سے لڑنا دراصل تمام آفات و مصائب کو اپنے اُوپر دعوت دینا ہے۔ یہ کام جنہیں کرنا ہو انہیں ایک تھپڑ کھا کر دوسرے تھپڑ کے لیے تیار رہنا چاہیے، کُرتا ہاتھ سے جاتا ہو تو جُبّہ بھی چھوڑنے کے لیے آمادہ ہونا چاہیے اور روٹی کپڑے کی فکر سے آزاد ہو جانا چاہیے۔ خزائنِ رزق فی الوقت جن کے ہاتھ میں ہیں، ظاہر ہے کہ اُن سے لڑ کر رزق پانے کی اُمید نہیں کی جا سکتی۔ لہٰذا جو اسباب سے قطع نظر کر کے صرف خدا کے بھروسے پر اس راہ میں چھلانگ لگا سکتا ہو وہی اُن سے لڑ سکتا ہے۔

"اے محنت اُٹھانے والو! بوجھ سے دبے ہوئے لوگو! سب میرے پاس آؤ، میں تمہیں آرام دوں گا۔ کیونکہ میرا جُوا ملائم ہے اور میرا بوجھ ہلکا" (متی ۱۱: ۲۸-۳۰)

شاید حکومتِ الٰہیہ کا مینی فسٹو اس سے زیادہ مختصر اور پُر اثر الفاظ میں مرتب نہیں کیا جا سکتا۔ انسان پر انسانی حکومت کا جُوا بڑا ہی سخت اور بڑا ہی بوجھل ہے۔ اس بوجھ تلے دبے لوگوں کو الٰہی حکومت کا نقیب جو پیغام دے سکتا ہے وہ یہی ہے کہ جس حکومت کا جُوا میں تمہارے اُوپر رکھنا چاہتا ہوں وہ نرم بھی ہے اور خفیف بھی۔

"غیر قوموں کے بادشاہ ان پر حکومت چلاتے ہیں۔ اور جو ان پر اختیار رکھتے ہیں وہ خداوند نعمت کہلاتے ہیں۔ مگر تم ایسے نہ ہونا بلکہ جو تم میں بڑا ہے وہ چھوٹے کے مانند۔ اور جو سردار ہے وہ خدمت کرنے والے کے مانند ہے۔" (لوقا ۲۲: ۲۵-۲۶)

(اقتباس از "مسلمان اور موجودہ سیاسی کشمکش حصہ سوم")

# جمع و تدوینِ قرآن مجید اور مستشرقین

جناب محمد عارف اعظمی عمری صاحب

(۲)

**ایک تاریخی غلطی کا اعادہ** درا صل الکامل ابن اثیر اور کتاب النشر ابن جزری میں حضرت عثمانؓ کے عہد مبارک میں قرآن مجید کے مستند نسخہ کی نقلیں تیار کرنے کا سن ۳۰ھ لکھا ہے، جو صحیح نہیں ہے، بلکہ یہ کام ۲۵ھ میں ہوا، جیسا کہ ابن حجرؒ نے فتح الباری جلد ۹ ص ۱۰ پر اس کی مکمل وضاحت کر دی ہے، مگر جو مستشرقین قرآن مجید کے تاریخی پہلو پر بحث کرتے ہیں وہ اپنی مقصد بر آری کے لیے قصداً اس غلطی کا ارتکاب کرتے ہیں۔

بلاشیر نے بھی اس تاریخی غلطی کا اعادہ کرتے ہوئے اس میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ ابن ابی داؤد کے بیان کے مطابق حضرت ابی ابن کعبؓ بھی اس وقت موجود تھے جب کہ دوسرے مآخذ سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۳۰ھ سے کم از کم دو سال پہلے ہی انتقال کر چکے تھے۔

**حضرت زید بن ثابتؓ کی مخلصانہ جد و جہد پر اثر پذیری کا بہتان** اکثر مستشرقین نے اس باب میں حضرت زید بن ثابت کی شخصیت کو بھی متہم کیا ہے۔ ان کے خیال میں وہ مختلف عوامل سے متاثر تھے۔ جن کے اثرات کی کارفرمائی لا محالہ اس کام پر بھی اثر انداز ہوئی، لیکن یہ ساری باتیں بے بنیاد ہیں۔ حضرت زیدؓ اسی وقت سے جب کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کتابتِ وحی پر مامور کیا تھا اپنی وفات (۴۵ھ) ممتاز سیرت

اور شخصیت کے مالک رہے، سوسائٹی میں ان کے اونچے درجہ و مرتبہ نیز ان کے حفظ و یادداشت کی قوت و صلاحیت کا اعتراف مستشرقین کو بھی ہے ...........
صحابہ کرام کی پوری جماعت میں وہ ان اوصاف و خصوصیات کے لحاظ سے بے نظیر تھے ۔ اکثر صحابہ رضؓ نے ان کی عظمتِ شان غیر معمولی فضل و کمال اور کتابتِ وحی کی عظیم الشان خدمت انجام دینے کا ذکر بھی کیا ہے ۔ امیر المومنین حضرت ابوبکرؓ کو اس بارہ میں ان پر کتنا اعتماد تھا اس کا اندازہ ان کے اس ارشادِ گرامی سے کیا جا سکتا ہے ۔

انك رجل شباب عاقل لا نتهمك وقد كنت تكتب الوحی

بیشک تم نوجوان اور ہوش مند شخص ہو، تم پر کوئی اتہام بھی نہیں ہے ۔ اور تم وحی بھی لکھا کرتے تھے ۔

حافظ ابن حجرؒ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"حضرت ابوبکرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی چار صفات گنائی ہیں جو تمام اس کام کے ساتھ مخصوص تھیں ۔ ۱- نوجوان ہونا تاکہ وہ اس اہم کام کو تندہی اور محنت سے انجام دے سکیں ۔ ۲- ہوش مند ہونا اس بنا پر کہ وہ اس کی اہمیت کو بخوبی سمجھتے ہوں ۔ ۳- متہم و مجروح نہ ہونا کہ ان کا نفس کسی برائی اور غلط رجحان کی طرف مائل نہ ہو ۔ ۴- کاتبِ وحی ہونا کہ یہ مہارت اور شرف ان کو پہلے سے حاصل ہے ۔ یہ چاروں اوصاف فرداً فرداً تو اور لوگوں میں بھی مل سکتے ہیں مگر حضرت زیدؓ کے اندر ان سب کا جمع ہونا ان کی نمایاں خصوصیت ہے ۔"

مزید برآں حضرت زید بن ثابتؓ اس وقت بھی موجود تھے جب کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے آخری دنوں میں حضرت جبریل علیہ السلام نے دو مرتبہ آپؐ سے قرآن مجید سنا اور خود آپؐ کو سنایا، علاوہ ازیں وہ تمام صحابہ میں قرآن مجید کے حفظ و ضبط اور اس کی مختلف قرأتوں سے واقفیت میں مشہور و ممتاز تھے،

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ انہوں نے یہ کام **تنہا** نہیں انجام دیا۔ ابن ابی داود کی روایت ہے۔

ان ابا بکرؓ قال لعمرؓ و لزیدؓ اقعدا علی باب المسجد فمن جاء کما بشاهدین علی شیئ من کتاب اللہ فاکتباہ۔

"حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ اور حضرت زیدؓ سے فرمایا کہ تم دونوں مسجد نبوی کے دروازے پر بیٹھ جاؤ اور جو شخص دو گواہوں کے ساتھ قرآن کا کوئی حصہ پیش کرے اُسے لکھ لو"

امام سیوطی فرماتے ہیں کہ یہ روایت گو منقطع ہے لیکن اس کے تمام راوی ثقہ ہیں۔
اسی طرح ابن ابی داؤد ہی کی ایک دوسری روایت ہے کہ "تدوینِ قرآن کے وقت حضرت عمرؓ نے اعلان کیا کہ جس شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن مجید کا کوئی حصہ سنا یا لکھا ہو وہ اُسے پیش کرے، صحابہؓ کا معمول تھا کہ وہ قرآن مجید کو اوراق، پتھر کی تختیوں اور کھجوروں کی شاخوں پر لکھ لیا کرتے تھے اور کسی سے بھی قرآن کا کوئی حصہ بغیر دو گواہوں کی شہادت کے قبول نہیں کیا جاتا تھا"
اِن دونوں روایتوں میں اس کا ذکر ہے کہ اس اہم کام میں حضرت عمرؓ نے حضرت زید بن ثابتؓ کی معاونت کی تھی، مگر اس بارہ میں خود حضرت زیدؓ کی احتیاط کا یہ حال تھا کہ وہ محض حافظہ پر اعتماد نہیں کرتے تھے، چنانچہ سورہ توبہ کے آخر کی آیت کے سلسلہ میں ان کا بیان ہے کہ وہ انہیں حضرت ابوخزیمہ انصاریؓ کے علاوہ اور کسی کے یہاں نہیں ملی، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت صرف انہیں کے پاس لکھی ہوئی موجود تھی ورنہ یہ زبانی تو انہیں خود بھی اور دوسرے بہت سے صحابہ کو بھی یاد تھی اور حفظ کے باوجود اس کے مطابق لکھے ہوئے کی تلاش سے ان کی انتہائی احتیاط کا اندازہ ہوتا ہے۔

| | |
|---|---|
| مصحف عثمانیؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ | مقالہ نگار کا یہ بھی بیان ہے کہ |

"حضرت عثمانؓ نے قرآن مجید کے دوسرے تمام نسخوں کو جلا دیا اور صرف سرکاری نسخوں کو برقرار رکھا اور یہی حکم تمام شہروں میں نافذ کر دیا گیا، البتہ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ اور ان کے ہمنواؤں نے اس کی پُرزور مزاحمت کی" - پھر اس مخالفت کے اسباب و علل پر طویل گفتگو کرتے ہوئے طرح طرح کے شکوک و شبہات پیدا کئے ہیں -

حقیقت یہ ہے کہ مستشرقین کے ایک بڑے طبقہ نے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے علیحدہ مصحف کا ذکر مبالغہ آرائی سے کیا ہے اور اس کو بنیاد بنا کر مصحف عثمانی کی مسلمہ صحت و صداقت کو مجروح کرنے کی کوشش کی ہے، مقالہ نگار نے بھی یہی کیا ہے اور اُس نے اس بارہ میں حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی جانب منسوب اس تقریر کو بھی نقل کیا ہے -

یا معشر المسلمین: اعزل عن نسخ المصاحف ویتولاہ رجل واللہ لقد اسلمت وانہ لفی صلب رجل کافر

"اے مسلمانو! میں مصاحف کی نقل نویسی سے معزول کر دیا گیا اور ایک ایسے شخص کو اس پر مامور کیا گیا جو اُس وقت ایک کافر کے صلب میں تھا جب کہ میں مسلمان ہو چکا تھا"

بالفرض یہ تسلیم کر لیا جائے کہ یہ حضرت عبد اللہ بن مسعود ہی کا کلام ہے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوتا ہے کہ وہ جمع تدوینِ قرآن مجید کے مخالف تھے، بلکہ ان کی تنقید محض جمعِ قرآن کے ذمہ داروں پر تھی، چونکہ وہ حضرت زید بن ثابتؓ کے مقابلہ میں معمّر اور قدیم الاسلام تھے اور پھر اُن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فنِ قرائت کے ائمہ میں شمار کیا تھا، چنانچہ آپؐ نے ان کے بارہ میں فرمایا تھا -

خذوا القرآن عن اربعۃ: عبد اللہ وسالم مولی ابی حذیفۃ ومعاذ بن جبل وابی بن کعب -

قرآن مجید چار آدمیوں سے سیکھو، حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ، حضرت سالمؓ غلام ابو حذیفہؓ حضرت معاذ بن جبلؓ اور حضرت ابی بن کعبؓ -

اس بنا پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ اپنے آپ کو اس کام کے لیے زیادہ موزوں سمجھتے رہے ہوں گے مگر جب ان کو اس حقیقت کا اچھی طرح علم ہو گیا اور اپنے موقف کی غلطی کا بخوبی احساس ہو گیا تو انھوں نے اس سے رجوع کر لیا اور برضا و رغبت اُمّتِ اسلامی کی وحدت و اجتماعیت کو برقرار رکھا۔

**خاتمہ** یہ مستشرقین کے اعتراضات اور غلط بیانیوں کی ایک جھلک ہے جن کو وہ اپنی کتابوں میں بار بار دہرا کہ قرآنی متن کو مشکوک اور نامعتبر ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر ان کی یہ تمنا کبھی پوری نہیں ہو سکتی، کیوں کہ اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ نے اپنی کتاب کی حفاظت کا ذمہ خود لے رکھا ہے، ارشاد باری تعالیٰ ہے:

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

"بے شک ہم ہی نے اس نصیحت کو اُتارا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان و محافظ ہیں"

افسوس ناک بات یہ ہے کہ اسلامی کتب خانوں میں ایسی مستند اور محققانہ کتابوں کی کمی ہے جن میں متنِ قرآن کی تاریخ مرتب مرحلہ وار درج کی گئی ہے، صرف ابن ابی داؤد کی کتاب المصاحف اس سلسلہ میں واحد مأخذ ہے جس کو مستشرق جفری نے شائع کیا ہے، مگر اس کو بھی دوبارہ ایڈٹ کر کے شائع کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کتاب کے عمیق مطالعہ کے بعد یہ پتہ چلتا ہے کہ اس کے تاریخی مباحث تشنہ ہیں اور اس میں ایک موضوع سے متعلق مختلف متضاد روایتیں یک جا کر دی گئی ہیں، اگر یہ اہم کام مسلمانوں کی جانب سے انجام پا جائے تو متضاد روایتوں کا سہارا لے کر کتاب اللہ پر طعن و تشنیع کی جو کوشش مستشرقین کر رہے ہیں اس کا سدباب ہو جائے گا۔

---

# دینی جدّوجہد کا اصل محور

جناب سید محمد صمیم پاشا صاحب

(۴)

ایک اور بڑی غلطی جو ان مذکورہ غلط فہمیوں کو سہارا دیئے ہوئے ہے یہ ہے کہ اصل میں گناہ گار تو وہ نام نہاد علماء و صوفیاء ہیں جنہوں نے عوام کو دین کی حقیقی تعلیمات سے آگاہ نہیں کیا۔ عوام تو اپنے انہی بڑوں اور رہنماؤں کے پیچھے چلتے ہیں۔ جو وہ پڑھا اور سمجھا دیتے ہیں اسی کو سچ مان لیتے ہیں۔ یہ لوگ بے چارے شرک کو شرک سمجھ کر تھوڑا ہی کرتے ہیں بلکہ اُن کاموں کو ثواب کا ذریعہ خیال کرتے ہیں۔ آخر ان نادانوں کا کیا قصور ؟

حالانکہ مسئلہ یہ نہیں ہے کہ عوام کی بے چارگی کیسی ہے اور وہ جان بوجھ کر ان برائیوں میں ملوث ہیں یا لاعلمی کا شکار ہیں ؟ دراصل سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ ان برائیوں کا خمیازہ بھگتنے سے بچ رہیں گے یا نہیں ؟ زہر نادانی سے کھایا جائے یا ہوشمندی کے ساتھ، اپنا اثر دکھائے گا یا نہیں ؟ بلاشبہ اللہ اپنے بندوں کا مالک و مختار ہے اور بہت ہی مہربان ہے، وہ چاہے تو انہیں معاف کر دے لیکن اسی پروردگار نے اس بارے میں کیا وضاحت فرمائی ہے۔ دُنیوی نتائج کا معاملہ تو سامنے موجود ہے ہی، پر اللہ کے نزدیک ان نادان پیروؤں کا مقام اور اُخروی انجام کیا ہے ؟ یہ قرآن مجید سے دیکھ لیا جائے اس میں کیسے کیسے القابات اُن کو دیئے گئے ہیں ؟ کیسی تصویر ان کی کھینچی گئی ہے ؟ اور کیا سزا ان کے لیے مقرر ہے ؟

لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ

بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ۔ (الاعراف۔ ۱۷۹)

"ان کے پاس دل ہیں مگر وہ ان سے سوچتے نہیں۔ ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ اُن سے دیکھتے نہیں، ان کے پاس کان ہیں، مگر وہ ان سے سُنتے نہیں۔ وہ جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ ان سے بھی زیادہ گئے گزرے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو غفلت میں کھوئے گئے ہیں"

صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۔ بقرہ ۔ ۱۷۱)

"یہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، اس لیے کوئی بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی"

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا وَاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ۔ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ۔ وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا مِنَّا كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ۔ (بقرہ ۔ ۱۶۵ تا ۱۶۷)

"کاش جو کچھ عذاب دیکھ کر انہیں سوجھنے والا ہے وہ آج ہی ان ظالموں کو سوجھ جائے کہ ساری طاقتیں اور سارے اختیارات اللہ ہی کے قبضے میں ہیں اور یہ کہ اللہ سزا دینے میں بھی بہت سخت ہے۔ جب وہ سزا دے گا اس وقت کیفیت یہ ہو گی کہ وہی پیشوا اور رہنما جن کی دنیا میں پیروی کی گئی تھی، اپنے پیروؤں سے لاتعلقی ظاہر کریں گے، مگر سزا پاکر رہیں گے اور ان کے سارے اسباب و وسائل کا سلسلہ کٹ جائے گا۔ اور وہ لوگ جو دنیا میں ان کی پیروی کرتے تھے کہیں گے کاش ہم کو

پھر ایک موقع دیا جاتا تو جس طرح آج یہ ہم سے بیزاری ظاہر کر رہے ہیں، ہم اُن سے بیزار ہو کر دکھا دیتے۔ یوں اللہ ان لوگوں کے وہ اعمال جو یہ دُنیا میں کر رہے ہیں، ان کے سامنے اس طرح لائے گا کہ یہ حسرتوں اور پشیمانیوں کے ساتھ ہاتھ ملتے رہیں گے، مگر آگ سے نکلنے کی کوئی راہ نہ پائیں گے"۔

نوعِ انسانی کی یہی وہ نازک پوزیشن ہے جس کی بنا پر انبیاؑ و رسل خاص طور پر اُن کی اُخروی فلاح کے لیے بے چین و بے آرام ہوتے تھے۔ اور اپنی جانوں کو ہلکان کرتے تھے۔ جلوت اور خلوت میں، مجمعوں اور بازاروں میں، چوپالوں ہی میں نہیں، ایک ایک گھر پہ دستک دے کر صبح و شام اپنی قوم کو پکارتے تھے کہ لوگو! آؤ تمھارا رب بڑا ہی غفور و رحیم ہے، اس سے دامن چھڑا کر کیوں بے نصیب ہوتے ہو؟ اُس کی طرف لوٹ آؤ، اس کا کہا مان لو، اُس کی رحمت سے مایوس نہ ہو، وہ تمھاری ساری خطائیں معاف کر دے گا اور اپنے انعامات سے تمھیں سرفراز کرے گا۔ ورنہ ہم تمھیں ایک بڑے دن کے عذاب سے ڈراتے ہیں۔ خود رحمت للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم بیماری اور اضمحلال کے باوجود ایک ایک قبیلے اور ایک ایک پڑاؤ میں جا کر اللہ کا یہ پیغام پہنچاتے تھے اور واپس آکر بستر پہ لیٹے ہی ہوتے تھے کہ کسی نئے قبیلے کی آمد کا پتا چلتا اور آپ ضعفِ طبع کی حالت میں پھر بھی اُٹھ بیٹھتے اور بندوں کو ایمان کی دعوت دینے نکل کھڑے ہوتے۔ یہ نقشے سامنے ہوں تو دینی جدوجہد کو تیز تر کرنے کے لیے مہمیز کا کام دیتے ہیں، ورنہ اصل کام سے اغماض کر کے عوام کی بے چارگی اور معصومیت کا خیال پرورش کرنے سے حق کا پرچار نہیں ہوتا۔

الغرض اس تمام جائزے سے اصل مقصود یہ ہے کہ ان لوگوں پر جو شرک و بدعات کی ضلالتوں اور نجاستوں کا فی الواقع احساس رکھتے ہوں اور قسط و انصاف پر قائم رہ کر شہادتِ حق کا فریضہ بھی انجام دینا چاہتے ہوں، یہ واضح ہو جائے کہ

(باقی برصفحہ ۵۶)

# اسلامی معاشرہ میں ماں کا درجہ

محترمہ ثریا بتول علوی صاحبہ - منصورہ لاہور

"ماں" کتنا پیارا اور حسین لفظ ہے۔ گلشنِ ہستی میں ساری بہار اور رونق ماں ہی کے دم قدم سے ہے۔ خلوص کی چاشنی سے معمور اور بے لوث محبت سے بھرپور "ماں" اپنی ان تھک محنت اور مسلسل کوشش سے گھر کے چمن کو آراستہ پیراستہ کرتی اور اپنی سدا بہار مہک سے گھر کے تمام افراد کو فیض پہنچاتی رہتی ہے۔

**حسنِ سلوک کی سب سے زیادہ مستحق**

محسنِ نسواں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو ماں کی حیثیت سے عظیم اور بلند مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے۔ چونکہ دنیا میں اللہ کی صفتِ تخلیق اور صفتِ ربوبیت کا قریب ترین اور واضح ترین مظہر ماں ہے۔ اس لیے دینِ فطرت اسلام نے اس کی محنت اور کوشش کو زبردست خراجِ تحسین پیش کرتے ہوئے بنی نوع انسان کو اس سے احسان کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔ قرآنِ پاک میں سورہ احقاف میں ارشاد ہوتا ہے:

وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ إِحْسَانًا ۖ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ كُرْهًا وَوَضَعَتْهُ كُرْهًا ۖ وَحَمْلُهُ وَفِصَالُهُ ثَلَاثُونَ شَهْرًا ۚ

"ہم نے انسان کو اپنے والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا ہے اس کی ماں نے مشقت اٹھا کر اسے پیٹ میں رکھا اور مشقت اٹھا کر ہی

اُسے جنا۔ اور اس کے حمل اور دُودھ چھڑانے میں کم از کم تیس مہینے لگ جاتے ہیں۔"

سورۂ لقمان میں ارشاد ہوتا ہے:

حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَىٰ وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ۔

"ماں نے ضعف پر ضعف اُٹھا کر اُسے پیٹ میں رکھا اور پھر دو برس اُس کو دُودھ پلایا۔ پس تو اے انسان ہمارا شکر بھی ادا کر اور ماں باپ کا بھی شکر گذار رہ"۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مشہور حدیث ہے کہ کسی صحابی نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر دریافت کیا یا رسول اللہ! میرے حُسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے؟ فرمایا۔ "تیری ماں" پوچھا "پھر کون"؟ فرمایا "تیری ماں" اُس نے عرض کیا "پھر کون"؟ فرمایا "تیری ماں"۔ چوتھی مرتبہ پوچھنے پر ارشاد ہوا "تیرا باپ" اور اس کے بعد درجہ بدرجہ قرابت دار"۔

اِن آیاتِ قرآنی اور اس فرمانِ نبویؐ سے اندازہ ہوتا ہے کہ نبی کریمؐ کی تعلیمات میں تمام مخلوقاتِ انسانی میں سے ماں کو برتری حاصل ہے۔ اور یہ برتری بالکل فطری اور واضح ہے، انسان اپنے وجود میں ذاتِ باری تعالیٰ کے بعد جس ہستی کا سب سے زیادہ ممنونِ احسان ہے وہ والدین ہیں، مقابلتاً باپ کا حصہ اس میں کم ہوتا ہے اور ماں کا زیادہ۔ ماں تو وہ ہستی ہے جس نے ہزاروں سختیاں اُٹھا کر نو ماہ تک اُسے پیٹ میں رکھا۔ پھر ولادت کی ناقابلِ برداشت تکلیف کو خندہ پیشانی سے گوارا کیا۔ پھر نومولود کو سینے سے لگا کر اپنا خونِ جگر پلایا۔ اور اس کی تربیت اور غور و پرداخت میں اپنی ہر راحت قربان اور ہر خوشی نثار کر دی۔ ایسی حالت میں ماں سے بڑھ کر انسان اپنے وجود میں کس کا محتاج ہوگا!

بات یہیں ختم نہیں ہوتی، بلکہ ماں اور بچے کا تعلق شکمِ مادر سے لے کر گور

تک چلتا ہے۔ بچے کی مسلسل نگہداشت، اس کی مسلسل تربیت، اس کے بہتر اخلاق و کردار کی تعمیر، عمر بھر اس کے آرام و آسائش کے لیے اپنی جان ہلکان کرنا، پیش آمدہ ممکنہ خطرات سے بچانے کی پوری کوشش کرنا، اس کے لیے ہر وقت دعاگو رہنا، غرض کوئی ایک بات ہو تو اس کا تذکرہ کیا جائے۔ یہ تو لا متناہی محبت ہے، جو ماں کی طرف سے ہر وقت اولاد کو منتقل ہوتی رہتی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ والدہ کی ان تکلیفوں کا مقابلہ دنیا کی کوئی اور تکلیف نہیں کر سکتی، لہٰذا دنیا میں اللہ کے حق کے بعد سب سے زیادہ حق والدہ کا ہونا ہی چاہیے۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم حسنِ سلوک کے لیے تین حق والدہ کو دیتے ہیں اور چوتھا حق والد کو دیتے ہیں۔ اب "ماں" کے بارے میں آپؐ کے مزید ارشاداتِ گرامی پیشِ خدمت ہیں۔

**اس بارے میں ارشاداتِ نبویؐ**

ایک دفعہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے۔ کیا میری توبہ ممکن ہے؟ فرمایا کیا تیری ماں زندہ ہے؟ جواب دیا "نہیں" فرمایا "خالہ ہے؟" کہا "ہاں" فرمایا "اس کی خدمت میں لگے رہو، اس سے حسنِ سلوک کرو، یہی تیرے گناہ کی توبہ ہے"۔

ایک صحابیؓ نے عرض کیا میں جہاد میں شریک ہونا چاہتا ہوں اور مشورہ کی خاطر حاضر ہوا ہوں، فرمایا "کیا تیری ماں زندہ ہے؟" جواب دیا "ہاں"۔ فرمایا "اسی کی خدمت کرو، کیونکہ جنت ماں کے قدموں کے نیچے ہے"۔

ایک مرتبہ آپ نے چار بڑے گناہوں کا ذکر کیا۔ ان میں سرفہرست "ماں کی نافرمانی" کو قرار دیا۔ آپؐ نے فرمایا: إِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوقَ الْأُمَّهَاتِ "اللہ نے تم پر ماں کی نافرمانی حرام قرار دے دی ہے"۔

دراصل ماں کی نافرمانی اس ربوبیت کی احسان فراموشی ہے، جس تکلیف میں مبتلا رہ کر اس نے بچے کو جنم دیا۔ تکلیف اٹھا کر اس کی پرورش کی اور خالص انسانی محبت کے پیشِ نظر اتنی مشقت اٹھائی۔

آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی والدہ محترمہ بچپن میں ہی وفات پاگئی تھیں - آپؐ کی کنیز اُمّ ایمن نے آپؐ کی بہت خدمت کی - اور اپنے بچوں کی طرح پالا پوسا - آپؐ اُن کو جب بھی دیکھتے بڑے خوش ہوتے اور فرماتے " ام ایمنؓ میری والدہ ہیں" ایک مرتبہ حضرت اُمّ ایمنؓ نے آپؐ کو پانی پیتے دیکھا تو اپنے لیے پانی طلب کیا - حضرت عائشہؓ نے ناراض ہو کر کہا، کیا تم حضورؐ سے پانی طلب کرتی ہو؟ حضرت اُمّ ایمنؓ نے کہا " تم نے مجھ سے بڑھ کر حضورؐ کی خدمت نہیں کی" حضورؐ نے فرمایا " یہ سچ کہتی ہیں - اور آپؐ اٹھ کر پانی لائے اور اُمّ ایمنؓ کو پلایا -

آپؐ کی تعلیم میں ماں کے حقوق کی ادائیگی، اس کی خدمت اور ادب و احترام کی اتنی تاکید ہے کہ کافر مائیں بھی اس سے محروم نہیں رہیں - حضرت اسماء بنت ابی بکرؓ سے روایت ہے کہ میرے پاس میری ماں مکہ سے مدینہ آئی، وہ مشرکہ تھی - میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا یا رسول اللہ میری ماں مجھے ملنے مکہ سے چل کر یہاں آئی ہے، مگر اسے اسلام سے کوئی رغبت نہیں تو کیا میں اس سے ملوں ؟ فرمایا اس سے حُسنِ سلوک کرو -

اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ماں اور باپ دونوں کے اجتماعی حقوق بھی بے شمار ہیں - ارشاد ہوتا ہے کہ ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنے والا بچہ جب بھی اپنے والدین کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ اُس کے لیے ہر مرتبہ دیکھنے کے عوض اس کے اعمالنامے میں ایک مقبول حج کا ثواب لکھ دیتا ہے - صحابہ کرامؓ نے عرض کیا، چاہے وہ دن میں سو بار دیکھے ؟ فرمایا " ہاں" -

قرآن میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے : اِنِ اشْكُرْ لِي وَلِوَالِدَيْكَ یعنی اپنے والدین کے ساتھ اس طرح پیش آؤ جس طرح کوئی احسان مند اپنے محسن یا کرم فرما کے ساتھ مؤدبانہ و عاجزانہ طور پر پیش آتا ہے - ایک بار آپؐ نے تین بار ارشاد فرمایا " وہ ہلاک ہوا، وہ ہلاک ہوا، وہ ہلاک ہوا" صحابہ کرامؓ نے عرض کیا یا رسول اللہؐ وہ بدنصیب کون ہے ؟ آپؐ نے فرمایا: جس کے بوڑھے

ماں باپ دونوں موجود ہوں یا اُن میں سے ایک، مگر وہ ان کی خدمت کر کے جنت میں داخل نہ ہو سکے"۔ اللہ اکبر! ماں کا یہ عظیم درجہ اور بلند مرتبہ!

ع یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا

دیکھیے کس طرح تمام اولوالعزم پیغمبر اپنے عظیم مرتبوں کے باوجود اپنی ماؤں کے سامنے سرِ تسلیم خم کیے نظر آتے ہیں۔ سب اولیاء اللہ اپنی ماؤں کی خدمت گزاری میں تندہی سے مصروف ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جو انسان تقوٰے کے جتنے عظیم مرتبہ پر فائز ہے وہ اسی قدر اپنی ماں کا فرمانبردار و اطاعت گزار ہوتا ہے اور اپنی بوڑھی و ناتواں ماں سے اپنے لیے دُعائے خیر کروانا باعثِ برکت و سعادت اور رضائے الٰہی کے حصول کا ذریعہ سمجھتا ہے۔

شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ کو دیکھیے کہ وہ کس طرح اپنی والدہ کے حضور خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں۔

دفترِ ہستی میں تھی زرّیں ورق تیری حیات
تھی سراپا دین و دنیا کا سبق تیری حیات
تربیت سے تیری میں انجم کا ہم قسمت ہوا
گھر مرے اجداد کا سرمایۂ عزّت ہوا

**ماں کا کردار** یہ امرِ واقعہ ہے کہ مقام اور مرتبہ جتنا بلند ہو، ذمہ داریاں اور فرائض اتنے ہی زیادہ ہوتے ہیں۔ اسلام نے عورت کو مختلف حیثیتوں میں بلند مقام عطا کیا ہے؛ مگر ماں کی حیثیت میں تو وہ مرد سے تین گنا زیادہ مرتبہ حاصل کر رہی ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اسلامی سوسائٹی کی تعمیر میں اس کا کردار بھی اتنا ہی عظیم الشان ہوگا اور فی الواقع ایسا ہی ہے۔ عورت نسلِ انسانی کی مربی ہے۔ اگر وہ خود پختہ سیرت و کردار کی مالک ہے اور اپنے مقام و مرتبہ کا شعور رکھتی ہو تو وہ خود کو اسلام کا عملی نمونہ بنائے گی۔ ہر معروف کو اپنائے گی، ہر منکر سے بچنے کی کوشش کرے گی۔ حلال و حرام کی پابندیوں کو قبول کرے گی۔ اگر وہ لالچ، حسد، جھوٹ،

بغض، منافقت جیسی روحانی بیماریوں سے بچے گی تو اس کی تربیت میں پلنے والے بچے بھی اس قسم کی سب برائیوں سے اجتناب کریں گے۔ وہ جس اعلیٰ معیار کی تربیت اولاد کو دے گی اتنے ہی اعلیٰ معیار کا معاشرہ وجود میں آئے گا۔ اور جس قدر پاکیزہ معاشرہ وجود میں آئے گا، اتنا ہی عورت کو دنیا میں ناموری اور شہرت اور آخرت میں سرخروئی ملے گی اور بلند مقام حاصل ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام نے عورت کی تربیت کا خصوصی اہتمام فرمایا ہے۔ جہاں دوسرے معاشروں نے عورت کو تعلیم کے حق سے بالکل محروم رکھا اور عورت کو ازلی و ابدی برائی کا منبع اور گناہ کا سرچشمہ قرار دیا ہے۔ اسلام نے عورت کو شخصی، سیاسی اور معاشرتی و معاشی تمام قسم کے حقوق عطا فرمائے اور اس کی تعلیم کے بارے میں تو اتنا اہتمام ہے کہ سرکارِ دوعالم کا ارشاد ہے: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِيْضَةٌ عَلٰى كُلِّ مُسْلِمٍ کہ علم کا حصول ہر مسلمان (مرد اور عورت) پر فرض ہے۔ مزید فرمایا: مَنْ عَالَ ثَلٰثَ بَنَاتٍ اَوْ مِثْلَهُنَّ مِنَ الْاَخَوَاتِ فَاَدَّبَهُنَّ وَرَحِمَهُنَّ حَتّٰى يُغْنِيَهُنَّ اللّٰهُ اَوْجَبَ اللّٰهُ لَهُ الْجَنَّةَ۔ (مشکوٰۃ) جس شخص نے تین لڑکیوں یا تین بہنوں کی سرپرستی کی اور انہیں تعلیم و تربیت دی اور ان کے ساتھ رحم کا سلوک کیا۔ یہاں تک کہ اللہ انہیں بے نیاز کر دے تو ایسے شخص کے لیے اللہ نے جنت واجب کر دی۔ اس پر ایک آدمی نے پوچھا کہ اگر دو ہی ہوں؟ تو فرمایا دو لڑکیوں کی سرپرستی پر بھی یہی اجر ہے۔

حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے دور میں حکم دے رکھا تھا کہ ہر لڑکی کو سورۂ نور خاص طور سے پڑھائی جائے جس میں خواتین سے متعلق خصوصی مسائل ہیں۔

**مسلمان ماں کی ذمہ داری**

قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ

"اے ایمان والو، اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو جہنّم کی آگ سے بچاؤ، جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہوں گے۔ اس پر تُند خُو اور سخت گیر فرشتے مقرر ہوں گے، اللہ ان کو جو حکم دے گا وہ اس کی نافرمانی نہیں کریں گے جس کا حکم ان کو دیا جائے گا۔"

مسلمان ماں کی ذمہ داری کی مزید تشریح ایک اور ارشادِ نبوی سے ہوتی ہے آپؐ نے فرمایا:

وَالْمَرْأَةُ رَاعِيَةٌ عَلٰى بَيْتِ زَوْجِهَا وَوَلَدِهٖ وَهِيَ مَسْئُوْلَةٌ عَنْهُمْ۔

"عورت اپنے شوہر کے گھر اور اس کی اولاد کی نگران ہے اور اس سے اولاد کے بارے میں پوچھ گچھ ہوگی۔"

مراد یہ ہے کہ وہ اولاد کی اصلاح اور تربیت کی ذمہ دار ہے۔ اگر اپنے فرض سے غفلت برتتی ہے تو روزِ قیامت اللہ تعالیٰ اُس سے باز پُرس کرے گا۔

ایک دفعہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سیّدہ فاطمۃ الزہراؓ سے پوچھا۔ جانِ پدر مسلمان عورت کے اوصاف کیا ہیں؟ انہوں نے عرض کیا " ابا جان عورت کو چاہیئے کہ خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرے، اولاد پر شفقت کرے، اپنی نگاہ نیچی رکھے اور اپنی زینت کو چھپائے، نہ خود غیر کو دیکھے نہ غیر اس کو دیکھ پائے" حضورؐ یہ جواب سُن کر بہت خوش ہوئے۔

ایک دفعہ آنحضورؐ صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کی عورتوں کی بہت تعریف فرمائی کہ وہ اپنے شوہر کی وفادار اور اپنے بچوں کی بہت ہمدرد اور شفیق ہوتی ہیں۔

مسلمان ماں کا اوّلین فرض جو کتاب و سنّت کے غائر مطالعہ سے سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ وہ علم کے زیور سے اپنے آپ کو آراستہ کریں، کتاب و سنّت کی تعلیم کو اپنی عملی زندگی میں نافذ کریں۔ اپنی زندگی کا ہر وقت جائزہ لیتی رہیں اور بے لوث

محاسبہ کرتی رہیں۔ جہاں جہاں ان کو جاہلیت کے آثار نظر آئیں ان سے اپنی زندگی کو پاک کریں۔ اپنے خیالات، عبادات، اپنی معاشرت، لین دین، اخلاق، غرض زندگی کے ہر شعبے کو دین کے تابع کریں۔ حلال کی پابندی کریں اور حرام روزی گھر میں نہ آنے دیں۔ اس کے بعد اگلے قدم پر وہ گھر کے ماحول کو اسلامی بنائیں۔ فضا کو درست کریں، اپنے گھر میں جو غیر اسلامی رسوم و رواج قدیم و جدید جاہلیت کے نظر آئیں، اُن سب سے اپنے گھروں کو پاک کرنے کی کوشش کریں۔ ریڈیو کے بیہودہ لچر گانے، ٹی۔وی کی فحش فلمیں اور پھر وی سی آر کی گندگی سے اپنی اور بچوں کی آنکھیں سینکنا کم از کم مخلص مومن عورتوں کا تو طرزِ عمل نہیں ہوسکتا۔ تلاوتِ قرآن کا فریضہ ریڈیو اور ٹی وی کے سپرد کرنے کے بجائے مسلمان مائیں خود ذوق وشوق کے ساتھ اور اخلاص وعقیدت کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت کرتی رہیں۔ وہ ہر وقت اپنے بچوں کی اسلامی انداز میں تربیت میں مصروف رہتی ہیں۔ اور اس فکر میں لگی رہتی ہیں کہ گھروں کی معاشرت، روزمرہ کے رہن سہن اور زندگی کے تمام معاملات میں اسلامی طرزِ زندگی نمایاں نظر آئے۔ اُٹھتے بیٹھتے ان کو اللہ کا ذکر سکھاتی ہیں، نماز، روزہ کا پابند بناتی ہیں۔ مختلف موقعوں پر الحمد للہ، سبحان اللہ، ماشاء اللہ کہنا موقع محل کے مطابق مسنون دُعائیں سکھاتی ہیں، ان کو عبادت کا مفہوم و مدعا سمجھاتی ہیں، جھوٹ، منافقت، فریب ایسی بیماریوں سے، خصوصاً گالم گلوچ، لڑائی جھگڑے سے بچانا اور آپس میں پیار و محبت اور اتفاق سے رہنا سکھاتی ہیں۔ اللہ اور رسولؐ کی محبت کا نقش ان کے دلوں پر بٹھاتی ہیں، ان کی عادات کو انبیائے کرام، سیرت نبویؐ و صحابہ کرامؓ کے حالات پر مشتمل ایمان افروز قصے سُنا کر درست کرنے کی کوشش کرتی ہیں، ان کو باقاعدہ کتاب و سنت کی تعلیم دلواتی ہیں اور دلوں کو جذبۂ جہاد سے گرماتی ہیں۔

(باقی)

# اسلام میں معذوروں اور مجبوروں کے حقوق

جناب ڈاکٹر احمد سجاد صاحب پروفیسر رانچی یونیورسٹی

۱۔ پہلے یہ کہ ایک خدا پر ایمان لایا جائے اور اُس کی خوشنودی کے لیے سب کچھ کیا جائے۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ہر انسان آپس میں بھائی بھائی اور برابر ہے۔ وہ اشرف المخلوقات ہے اور احسن تقویم ہے۔ چھوٹے بڑے کا تصور ذات پات کی بنیاد پر نہیں، بلکہ نیکی اور بھلائی کی بنیاد پر ہے۔ قرآن مجید کے لفظوں میں:

"اے لوگو! ہم نے تمہیں پیدا کیا ایک مرد اور ایک عورت سے اور تقسیم کیا مختلف نسل اور قبائل میں، تاکہ تم پہچانے جاسکو۔ تم میں برگزیدہ اور معزز وہ شخص ہے جو تم میں زیادہ متقی ہے۔"

اسی بات کو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کہا ہے:

"خدا کی قسم تمام مخلوق ایک کنبہ ہے۔ خدا سب سے زیادہ اس سے محبت کرتا ہے جو خدا کی مخلوق سے سب سے زیادہ محبت کرتا ہے۔"

ایک اور جگہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کہا کہ:

"میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ سب انسان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

اسلام نے توحید اور اخوت و مساوات نیز عظمتِ آدم پر سب سے زیادہ زور دیا

ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کوئی انسان خواہ وہ جسمانی اعتبار سے معذور ہو یا مالی حیثیت سے پریشان و مفلوک الحال اس کی مدد کرنا ایک اچھے اور سچے انسان کا فرض ہو جاتا ہے۔

قرآن و حدیث میں اس طرح کی بیسیوں آیتیں اور اقوال درج ہیں جن میں معذورین کی مدد اور خدمتِ خلق کی تاکید کی گئی ہے۔ مثلاً:

۱۔ "وہ لوگ جن کے اموال میں سائل اور محروم کا حق ہے۔" (المعارج)

۲۔ "اور یتیموں کی نگہداشت کرو یہاں تک کہ وہ سنِ نکاح کو پہنچ جائیں۔"

۳۔ "صدقات (یعنی خیرات و زکوٰۃ) صرف فقراء و مساکین اور کارپردازانِ صدقات اور ان کے لیے ہیں جن کی تالیفِ قلب ضروری ہے اور غلاموں کے آزاد کرنے میں اور قرض داروں اور مجاہدین، مسافرین کی مدد میں بھی یہ صدقات صرف کرنے چاہئیں۔" (التوبہ)

اسی طرح والدین، قرابت داروں، عورتوں، بچوں اور کمزوروں کی خدمت اور مدد کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ایک جگہ ایک اصولی بات اس طرح کہہ دی گئی ہے:

۴۔ "اور نیکی و خیر کے کاموں میں تعاون کرو اور معصیت وجور میں تعاون نہ کرو۔" (المائدہ)

یہاں نیکی کے کاموں میں دین دھرم اور ذات پات کے بھید بھاؤ کو بالکل مٹا دینے کا حکم ہے۔ اس بات کو قرآن نے ایک اور جگہ تفصیل سے کھول کر بتا دیا ہے۔

۵۔ "تم سب اللہ کی بندگی کرو، اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ، ماں باپ کے ساتھ نیک برتاؤ کرو، قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ حُسنِ سلوک سے پیش آؤ، اور پڑوسی اور رشتہ دار سے، اجنبی ہمسایہ سے، پہلو کے ساتھی اور مسافر سے، اور ان لونڈی غلاموں سے جو تمہارے قبضہ میں ہوں احسان کا معاملہ رکھو۔"

۶۔ مومن ایسا نہیں ہوتا کہ خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اُس کا پڑوسی جو اُس کے پہلو میں رہتا ہو، بھوکا رہے۔" (حدیث مشکوٰۃ، ابن عباسؓ)

اسی لیے بعض ائمہ و فقہا خصوصاً امام ابن حزم کا خیال یہ ہے کہ کسی محلہ میں کوئی شخص بھوکا مر جائے تو اُس کے پڑوسیوں پر قتل کا مقدمہ قائم کیا جائے گا۔

اِس طرح بیسیوں آیتیں اور احادیث پیش کی جا سکتی ہیں جن میں کھُل کے مجبوروں، بے کسوں اور معذوروں کی مدد کو لازمی قرار دیا گیا ہے۔ پورے قرآن میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ہے کہ غریبوں کے علاوہ سرمایہ داروں کی پاسداری اور اُن کی دولت پر پردہ ڈالنے کی کوئی بات کہی گئی ہو، بار بار یہی یاد دہانی کرائی گئی ہے کہ دولت ایک جگہ جمع نہ ہونے پائے۔ اسے غریبوں اور محتاجوں میں ہمیشہ تقسیم در تقسیم ہوتے رہنا چاہیے۔

اگلا سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث کی ان نظریاتی بنیادوں پر اسلامی سوسائٹی میں اس کی عملی شکلیں (PRACTICAL SHAPES) کس طرح سامنے آئیں۔ اِس عملی رُخ کے مطالعہ کے لیے پہلی بات تو یہ جان لینا چاہیے کہ قرآن اور اسلام نے سُود کو قطعاً حرام قرار دے دیا ہے۔ اس کے بجائے غریبوں اور معذوروں کی خدمت کے لیے عبادت کے جو طریقے اور ادارے قائم کیے ان میں مندرجہ ذیل قابلِ ذکر ہیں:

۱۔ زکوٰۃ ۔ (ہر صاحب نصاب پر ڈھائی فیصد ٹیکس بشکل عبادت)
۲۔ عشر ۔ (بغیر آب پاشی کی پیداوار پر ۱/۱۰، اور آب پاشی کے بعد ۱/۲۰)
۳۔ فطرہ
۴۔ خمس ۔ (مال غنیمت میں سے)
۵۔ وراثت
۶۔ صدقات (مختلف قسم)
۷۔ اوقاف وغیرہ

عبادات کے ان طریقوں پر رسول کریمؐ کے زمانے سے لے کر آج تک پوری اسلامی دُنیا میں عمل درآمد ہو رہا ہے۔ اس کے نتیجے میں عرب جیسا بنجر اور غریب علاقہ مالا مال ہو گیا ہے۔ اور رسول اللہؐ کے چند برسوں کے بعد حضرت عمرؓ کے زمانے میں تو یہ حالت ہوئی کہ زکوٰۃ اور خیرات لینے والا بمشکل ہی نظر آتا تھا۔ آج بھی اس گئے گزرے دور

میں اسلامی دنیا کی کئی بین الاقوامی یونیورسٹیاں، ان گنت مدارس، رفاہی ادارے، ہسپتال اور معذوروں کی پناہ گاہیں انہی مدات سے چل رہی ہیں اور جن سے فائدہ اُٹھانے کے لیے کوئی جنس نہیں رکھی گئی ہے۔ شاید اسی لیے مشہور فلسفی اور شاعر ڈاکٹر محمد اقبال نے ایک موقع پر مسلمانوں سے ایک خاص انداز میں کہا تھا کہ:

"تم جس دین کے علمبردار ہو وہ فرد کی قدر و قیمت کو تسلیم کرتا ہے اور اُس کی اس طرح سے تربیت کرتا ہے کہ وہ اپنا سب کچھ خدا اور بندوں میں صرف کر دے۔ اس دینِ قیم کے مضمرات ابھی ختم نہیں ہوئے۔ یہ دین اب بھی ایک نئی دنیا بیدار کر سکتا ہے، جس میں غریب، امیر سے ٹیکس وصول کریں، جس میں انسانی سوسائٹی معذوروں کی مساوات پر نہیں بلکہ روح کی مساوات پر قائم ہو"۔

یہ بات شاعرانہ فلسفیانہ رنگ میں نہیں کہی گئی ہے بلکہ خود قرآن کا کہنا ہے کہ:

"مسلمانوں نے اپنی جان اور اپنا مال اللہ کے ہاتھوں جنت کے عوض بیچ دیا ہے"۔

ایسی صورت میں ایک سچے مسلمان کے پاس جو کچھ ہے وہ خدا کی امانت ہے اور جہاں جہاں جس مد میں اُس نے جس کا جو حصہ مقرر کر دیا ہے، اُسے ہر حال ادا کرنا ہے۔ یہاں ادائیگی کے آداب بھی مقرر کر دیے گئے ہیں کہ جو کچھ دینا ہے محض خوشنودیٔ رب کے لیے، کسی پر احسان جتانے یا کسی غریب اور معذور پر رعب قائم کرنے کے لیے نہیں۔ قرآن ہی نے ایک جگہ اس کی صراحت ان الفاظ میں کی ہے:

"اے ایمان لانے والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دکھ دے کر اُس شخص کی طرح خاک میں نہ ملا دو جو اپنا مال محض لوگوں کے دکھانے کو خرچ کرتا ہے اور نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے ایک چٹان تھی جس پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ اس پر جب زور کا مینہ برسا تو ساری مٹی بہہ گئی اور صاف چٹان کی چٹان رہ گئی۔ ایسے لوگ اپنے

نزدیک خیرات کر کے جو نیکی کماتے ہیں اس سے کچھ بھی ان کے ہاتھ نہیں آتا۔"
انہی اصول و آداب نے نہ صرف عربوں بلکہ عربوں کے ساتھ جہاں جہاں اسلام پہنچا وہاں کی کایا پلٹ ہو گئی۔

اب آخری بات صرف یہ رہ گئی ہے کہ اسلام کی اُن نظری و عملی ہدایتوں کی بنیاد پر اسلامی تاریخ میں اس کا کوئی ثبوت بھی ملتا ہے یا نہیں۔ میں یہاں طوالت سے بچنے کے لیے ہر اہم دور کے چند مشہور واقعات، اوقات اور ان کے طریق کار کی وضاحت کروں گا جس سے بخوبی یہ اندازہ ہو سکے گا کہ خدمتِ خلق، رفاہ عام اور معذوروں کی ہر صورت مدد اور خدمت کی کیسی کیسی مثالیں اسلامی تاریخ نے قائم کیں۔ تو سب سے پہلے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ عمل کو ملاحظہ فرمایئے۔ حضورؐ نے زندگی بھر غریبوں، غلاموں اور اپاہجوں کی جس طرح خدمت کی، اس سے تاریخ و سیر کی کتابیں بھری پڑی ہیں۔ یہاں صرف ایک بات عرض کر دوں کہ ان خدمات کے علاوہ آپؐ نے سات باغ غرباء، فقراء، مساکین اور مجاہدین کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ یہاں یہ واضح کر دینا نامناسب نہ ہوگا کہ عرب جیسے علاقے میں باغ، کنوؤں، چشموں، مویشیوں اور غلّوں کو آج سے بارہ، چودہ سو برس پہلے جو اہمیت حاصل تھی، اُس کا کچھ نہ کچھ اندازہ آج بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہی چیزیں خوشحالی، عیش و عشرت، دولت و عزت اور زندگی کا دارومدار تھیں۔

رسول اللہؐ کے بعد جب حضرت حفصہؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ وغیرہ نے جس طرح قیمتی جائدادیں، باغات اور کنوئیں خدمتِ خلق کے لیے وقف کیے تاریخ کی کتابیں ان کی تفصیل سے بھری ہوئی ہیں۔ حضرت عمرؓ نے اپنے دورِ خلافت میں شیرخوار بچوں، بوڑھے مردوں، عورتوں اور معذوروں کے وظائف کا جو نظام قائم کیا تھا، وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں۔ بوڑھے یہودی کا واقعہ تو زبان زدِ عام ہے کہ اس کو بھیک مانگتے دیکھ کر آپؓ نے بلا امتیازِ مذہب و ملت تمام بوڑھوں اور اپاہجوں کا وظیفہ مقرر کر دیا۔

حضرت عثمانؓ نے لوگوں کی عام ضرورت پوری کرنے کے لیے ایک کنواں (بیرِ رومہ)

-/۳۵۰۰۰ درہم میں خرید کر وقف کر دیا۔ اس طرح حضرت علی رضؓ نے اپنے دورِ امارت میں سالانہ چالیس ہزار کی ایک بڑی جائیداد خدمتِ خلق کے لیے وقف کر دی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کے بارے میں تاریخ گواہ ہے کہ مختلف اوقات میں آپؓ نے ایک بار پانچ سو اونٹ، دوسری دفعہ ایک ہزار گھوڑوں اور تیسری بار پچاس ہزار کی ایک قیمتی جائیداد اور ایک بار چار لاکھ کا نہایت عمدہ باغ ضرورت مندوں کے لیے وقف کر دیا۔ غرض صلاحیتِ خدمتِ خلق اور کارِ خیر کی ایک فضا بن گئی تھی۔ امام ابن الجوزی نے ایک جگہ لکھا ہے کہ اُس زمانے میں لوگوں کا یہ عقیدہ بن گیا تھا کہ فقیروں، غریبوں اور محتاجوں سے جو لوگ اپنے مال کو روکیں گے اُن کا مال مختلف حیلوں اور تدبیروں سے اہلِ اقتدار اور حکامِ زمانہ حاصل کر لیں گے۔ چنانچہ تجی بیشہ لوگوں نے اپنے مال کو ہر سال تین حصوں میں تقسیم کر لینے کی ایک عادت بنا لی تھی۔ ایک حصہ اپنے مصرف میں لاتے دوسرے حصے سے رشتہ داروں اور قرابت داروں کی خدمت کرتے اور تیسرا حصہ غریبوں، مسکینوں اور معذوروں کے لیے وقف کر دیتے۔ غلاموں کو آزاد کرانا، غریب لڑکے لڑکیوں کی شادی کرا دینا، مقروضوں کا قرض ادا کرا دینا اور اپاہجوں، یتیموں، بیواؤں اور مفلوک الحالوں کی پرورش اور علاج معالجے پر اپنے مال کو صرف کرنا اس زمانے کا فیشن بن گیا تھا۔ اسپتالوں، یتیم خانوں، مدرسوں کی تعمیر، قحط کے زمانے میں روٹیوں کی تقسیم، رمضان اور حج کے زمانے میں عوام کی بیش از بیش خدمت کا چلن عام تھا۔

(باقی)

---

بحث ونظر

# انسدادِ منکرات پر کچھ اور باتیں

جناب نور الٰہی صاحب ایڈووکیٹ

ترجمان القرآن جولائی ۱۹۹۰ء میں انسدادِ منکرات بالید کے عنوان سے آپ کے حکیمانہ پند و نصائح ملاحظہ ہوئے۔ اب اکتوبر کے پرچے میں جناب محمد نواز صاحب کی وضاحت شائع ہوئی ہے۔ آپ کے ارشادات سے مجھے اصولی طور پر اتفاق ہے کہ ہمیں صبر اور حکمت کے ساتھ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کرنا چاہیے اور ڈنڈے ماری اور ہلڑ بازی سے پرہیز کرنا چاہیے لیکن حدیث زیر بحث اور قرآنی اصطلاح امر بالمعروف کے بارے میں کچھ عرض کرنا ہے۔

حدیث کا ایک فقرہ آپ کے مضمون میں اس طرح لکھا گیا ہے:

مَنْ تَرٰی مِنْكُمْ مُنْكَرًا فَلْيُغَيِّرْهُ بِيَدِهٖ ..... الخ

اس میں لفظ رَاٰی کی بجائے تَرٰی لکھا گیا ہے جو غلط ہے[2]۔ پوری حدیث درج ذیل ہے:

عَنْ اَبِیْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

[1] "پند و نصائح" کا مقام تو مجھے حاصل نہیں، گذارشات ہی کا ہے۔ نور الٰہی صاحب! آپ کی بے تکلفیوں کا کیا علاج!

[2] یہ غلطی بہت عجلت میں نوٹ لکھنے کی وجہ سے ہوئی، کیونکہ رسالہ لیٹ ہو رہا تھا بعد میں اس کی تصحیح شائع کر دی گئی۔ (ادارہ)

قَالَ مَنْ رَاٰی مِنْکُمْ مُنْکَرًا فَلْیُغَیِّرْہُ بِیَدِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِلِسَانِہٖ فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ فَبِقَلْبِہٖ وَ ذٰالِکَ اَضْعَفُ الْاِیْمَانِ (رواہ مسلم)

آپ کے بقول اس حدیث میں منکر کو ہاتھ سے مٹانا، پھر زبان سے مٹانا اور پھر قلب میں اس کو بُرا سمجھنا یہ سب مدارج بیان ہوئے ہیں۔

مولانا مودودی مرحوم نے اس حدیث کا ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے:

"تم میں سے جو کوئی بدی کو دیکھے تو اُس کو ہاتھ سے بدل دے، اگر اس کی قدرت نہ رکھتا ہو تو زبان سے اور اگر اس کی بھی قدرت نہ رکھتا ہو تو دل سے، اور یہ ایمان کا ضعیف ترین درجہ ہے"

اس کی تشریح کرتے ہوئے مولانا موصوف تحریر کرتے ہیں کہ ان احادیث میں ہاتھ کا لفظ محض جسمانی ہاتھ کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، بلکہ مجازاً قوت کے معنی میں بولا گیا ہے۔ بدکار کا ہاتھ پکڑنے سے مُراد دراصل یہ ہے کہ ایسے حالات پیدا کر دیئے جائیں کہ وہ بدی و شرارت کا ارتکاب نہ کر سکے۔ اس طرح ہاتھ سے بدل دینے کا مطلب یہ ہے کہ تم اپنی طاقت کو منکر کے مٹانے اور معروف سے بدل دینے میں استعمال کرو۔ (الجہاد فی الاسلام، طبع دوم، ص ۲۷)

تغییر منکر کا معنی عام طور پر بدی کو روکنا یا مٹانا کیا جاتا ہے۔ لیکن اس کا معنی یہ ہے کہ منکر کو روکا اور مٹایا جائے اور اُسے معروف سے بدل دیا جائے جیسا کہ مولانا مودودی مرحوم نے تحریر فرمایا ہے۔ چنانچہ تغییر منکر سے مراد نہی عن المنکر اور امر بالمعروف ہے۔ اسی لیے امام مسلم نے اس حدیث کو امر بالمعروف کے باب میں نقل کیا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ جب تک انسانی فطرت کو منکر سے پاک نہ کر دیا جائے وہ معروف کا پَیَوند قبول کرنے کے قابل نہیں ہوتی۔

بحیثیتِ مجموعی اُمتِ مسلمہ کو یہ مشن سونپا گیا ہے کہ وہ بدی کو مٹائے اور نیکی کا حکم دے۔ فرمایا گیا:

كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ؕ (آل عمران - ۱۱۰)

"اب دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔" (تفہیم القرآن)

ایک اسلامی جماعت پر بھی یہی ذمہ داری عاید کی گئی ہے۔ فرمایا گیا:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ؕ (آل عمران - ۱۰۴)

"تم میں کچھ لوگ تو ایسے ضرور ہی ہونے چاہئیں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔" (تفہیم القرآن)

اسی طرح اسلامی حکومت کے فرائض بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا:

اَلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَوٰةَ وَآتَوُا الزَّكَوٰةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ ؕ (الحج - ۴۱)

"یہ وہ لوگ ہیں جنہیں اگر ہم زمین میں اقتدار بخشیں تو وہ نماز قائم کریں گے، زکوٰۃ دیں گے، نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے منع کریں گے۔ (تفہیم القرآن)

اور ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر فرد مسلم کو انفرادی سطح پر نہی عن المنکر اور امر بالمعروف کا مکلف ٹھہرایا ہے۔

جناب محمد نواز صاحب فرماتے ہیں:

"عام طور پر امر بالمعروف کا ترجمہ نیکی کا حکم کرنا کیا جاتا ہے، لیکن یہ ترجمہ امر بالمعروف کے پورے مفہوم پر حاوی نہیں۔ اس کا ایک مفہوم یہ بھی ہو سکتا ہے کہ معروف یا المعروف کی مدد سے، اسے ذریعہ اور وسیلہ

بنا کر امر کرنا، جیسے اِسۡتَعِيۡنُوۡا بِالصَّبۡرِ وَالصَّلٰوةِ میں صبر اور صلوٰۃ کی مدد اور وسیلہ سے مدد حاصل کرنے کی ہدایت دی گئی ہے....."

قرآن کریم کی متعدد آیات میں امر بالعدل، امر بالاحسان، امر بایتاء ذی القربیٰ، امر بالبر، امر بالتقویٰ، امر بالصلوٰۃ، امر بالزکوٰۃ، امر بالقسط، امر بالفحشاء، امر بالکفر، امر بالبخل، امر بالسوء کا ذکر کیا گیا ہے۔

فرمایا گیا:-

اِنَّ اللّٰهَ يَاۡمُرُ بِالۡعَدۡلِ وَالۡاِحۡسَانِ وَاِيۡتَآىِٕ ذِى الۡقُرۡبٰى ..... (النحل - ۹۰)

"اللہ عدل اور احسان اور صلہ رحمی کا حکم دیتا ہے۔"

(تفہیم القرآن)

کیا اس آیت کا ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ عدل اور احسان اور ایتاء ذی القربیٰ کے ذریعے سے حکم جاری کرتا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کے ذوالقربیٰ بھی ہیں، جن سے صلہ رحمی کے ذریعے وہ حکم نافذ کرتا ہے؟ اس کی شان تو یہ ہے کہ لَمۡ يَلِدۡ وَلَمۡ يُوۡلَدۡ وَلَمۡ يَكُنۡ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ

سورۂ البقرہ آیت ۴۴ میں فرمایا گیا:

اَتَاۡمُرُوۡنَ النَّاسَ بِالۡبِرِّ وَتَنۡسَوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ

"تم دوسروں کو تو نیکی کا راستہ اختیار کرنے کے لیے کہتے ہو، مگر اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟ (تفہیم القرآن)

کیا اس آیت کا یہ ترجمہ ہو سکتا ہے "کہ تم نیکی کے ذریعہ اور وسیلہ اور مدد سے لوگوں کو حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو"

سورۂ آلِ عمران آیت ۸۰ میں فرمایا گیا:

اَيَاۡمُرُكُمۡ بِالۡكُفۡرِ بَعۡدَ اِذۡ اَنۡتُمۡ مُّسۡلِمُوۡنَ ۝

"کیا یہ ممکن ہے کہ ایک نبی تمہیں کفر کا حکم دے، جب کہ

تم مسلمان ہو؟

کیا اس آیت کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ "ایک نبی تمہیں کفر کے ذریعہ سے حکم دے؟ (تفہیم القرآن)

محمد نواز صاحب نے فرمایا کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے عربی لغت اور کلامِ عرب بھی ضروری ہے۔ "ب" حرفِ جر ہے اور متعدد معانی مثلاً (۱) الصاق (اتصال) (۲) استعانت (۳) سببیت و تعلیل (۴) مصاحبت (۵) مقابلہ و مبادلہ و تعویض (۶) تعدیہ (۷) ظرفیت (۸) قسم (۹) تقدیہ (۱۰) تاکید وغیرہ کے لیے استعمال ہوتا ہے اور کبھی بطور زائد بھی استعمال ہوتا ہے، لیکن سوال پیدا ہوتا ہے کہ مفسرین اور ائمہ لغت میں سے کسی بزرگ نے امر بالمعروف کا وہ ترجمہ کیا ہے جو محمد نواز صاحب کر رہے ہیں۔ موصوف فرماتے ہیں کہ اس موضوع پر سید ابوالاعلیٰ مرحوم و مغفور کا فکر بڑا واضح ہے، لیکن کیا وہ بتائیں گے کہ مولانا مرحوم نے امر بالمعروف کا ترجمہ، معروف بالمعروف کی مدد سے اسے ذریعہ اور وسیلہ بنا کر امر کرنا۔ کیا ہے یا محمد نواز صاحب کی یہ اپنی من مانی تاویل ہے؟ امید ہے کہ میری ان طالب علمانہ گذارشات پر غور فرمایا جائے گا۔

---

نوٹ: زیادہ سے زیادہ اس موضوع پر ایک بار محمد نواز صاحب وضاحتی کلام کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد یہ بحث جاری نہ رہے گی۔

(ادارہ)

---

## رسائل و مسائل

# غیر اسلامی عدالت مسلمان زوجین کی تفریقِ نکاح کی مجاز نہیں

**سوال :-** زید کا نکاح ہندہ سے شرعِ محمدی پر آج سے تقریباً دس سال قبل ہوا۔ زید نے اس نکاح کے لیے چند شرائط رکھیں جو کہ قبول کر لی گئیں۔ قابلِ ذکر درج ذیل ہیں:

۱۔ نکاح مسجد میں ہو گا کسی قسم کی کوئی بارات وغیرہ نہ ہو گی۔ لڑکی والوں کی طرف سے کوئی دعوت وغیرہ نہ ہو گی۔

۲۔ لڑکی کا حق مہر نکاح کے ساتھ ہی ادا کر دیا جائے گا۔

ان شرائط پر عمل ہوا اور نکاح بطریق شرعِ محمدی ہوا۔

نکاح کے بعد لڑکا لڑکی کو لے کر امریکہ چلا گیا جہاں وہ نکاح سے قبل ملازمت کر رہا تھا اور اب تک کر رہا ہے۔

اس نکاح سے ایک لڑکی بعمر تقریباً ۹ سال اور ایک لڑکا تقریباً ۷ سال کا ہے۔

دونوں بچے چونکہ امریکہ میں پیدا ہوئے تھے اس لیے ان کی شہریت امریکن ہے۔ ماں اور باپ نے بھی امریکن شہریت قبول کی ہوئی ہے۔ جس کی وجہ سے پورا خاندان یعنی میاں بیوی اور بچے امریکن قانون کے تحت آ چکے ہیں۔

ایک سال سے میاں بیوی کے تعلقات کشیدہ ہیں اور بیوی نے امریکی عدالت میں طلاق کا دعویٰ کر دیا ہے اور یہ درخواست دے کر کہ مجھے اپنے خاوند سے جان کا خطرہ ہے۔ گذشتہ ۹ ماہ سے عدالت سے یہ حکم بھی حاصل

کر لیا ہے کہ خاوند گھر کو چھوڑ دے ۔ امریکن عدالتیں ایسا حکم مدعی کی درخواست پر فوراً دے دیتی ہیں ۔ اس کا فیصلہ کہ آیا اس حکم کا جواز تھا یا نہیں، مقدمہ کے فیصلہ کے وقت کیا جاتا ہے ۔

اس دوران بیوی نے مقدمہ کے فیصلہ سے پہلے طلاق کا فیصلہ کرنے کی درخواست عدالت کو دے دی جس پر لڑکے نے عدالت میں حاضری نہ دی اور عدالت نے "طلاق" کی درخواست قبول کر کے اُس کو امریکن قانون کے مطابق یکم اکتوبر ۱۹۹۰ء سے اس کی زوجیت سے فارغ کر دیا ۔

اب سائل آپ کے پاس مندرجہ ذیل اسلامی احکامات کے بارے میں جاننے کے لیے حاضر ہے ۔

۱ ۔ جھگڑے کے وقت لڑکی کے والدین کو یہ کہا کہ چونکہ نکاح شرع محمدیؐ پر ہوا تھا اس لیے اس کا فیصلہ بھی اگر شرع پر ہو جائے تو دین اور دنیا کی بہتری کا باعث بنے گا ۔ نیز لڑکی کے والدین جس عالم کو بھی اس بات کا فیصلہ کرنے کا اختیار دیں گے، لڑکے والوں کو قبول ہو گا ۔

۲ ۔ اب کیا غیر شرعی اور غیر ملکی عدالت کے فیصلہ سے طلاق واقع ہو گئی ہے ۔

۳ ۔ طلاق کی صورت میں بچوں کی تولیت کے بارے میں کیا باپ کے حق میں کوئی شک یا شبہ ہے ۔

۴ ۔ جہیز یا وری وغیرہ کی صورت میں چونکہ کوئی لین دین وغیرہ نہیں ہوا لڑکی کی ضروریات بحیثیت بیوی کے خاوند نے اس کی وقتی ضروریات کے تحت اس کو دی ہیں ۔ ماسوائے چند ایک تحائف کے جو کہ لڑکی اور لڑکے کی پیدائش کے وقت دیئے گئے، ان اشیا کا حق دار کون ہے ۔

۵ ۔ خود طلاق (خلع) لینے کی صورت میں لڑکی کا حق مہر پر کیا حق ہے؟

**جواب** :۔ آپ کے استفسار سے معلوم ہوا کہ زید اور زید کی بیوی ہندہ کے تعلقات

باہمی کشیدہ ہو گئے جب کہ دونوں امریکی شہریت اختیار کر چکے ہیں۔ بیوی نے امریکی عدالت میں "طلاق" کا دعویٰ دائر کر دیا اور عدالت سے یہ حکم بھی حاصل کر لیا کہ خاوند گھر چھوڑ دے۔ اس دوران میں بیوی کی درخواست منظور کرتے ہوئے اسے امریکی عدالت نے زید کی زوجیت سے فارغ کر دیا۔ اب آپ کے سوالات کے جوابات درج ذیل ہیں:

۱۔ امریکی عدالت کا نام نہاد "فیصلہ طلاق" مسلمان زوجین کے لیے اسلامی شریعت کی رُو سے قطعاً بے اثر اور کالعدم ہے۔ اور اس سے نکاح کا ازالہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔ زید کا نکاح صرف اس حالت میں زائل ہو سکتا ہے جب کہ وہ خود طلاق دے یا پھر کسی اسلامی ریاست (مثلاً پاکستان) کی عدالتِ مجاز کا مسلمان قاضی (جج) تفریقِ نکاح کا فیصلہ صادر کر دے اور یہ فیصلہ کسی اپیل سے تبدیل نہ ہو۔ ایسے مسلمان جج کا فیصلہ طلاق بائن کا حکم رکھتا ہے۔ لیکن کسی غیر اسلامی ملک کے غیر مسلم جج کو اسلام یہ اختیار نہیں دیتا کہ وہ فسخ نکاح کا فیصلہ مسلمان زوجین کے مابین کرے۔

۲۔ زوجین کے لیے صحیح طرزِ عمل یہ ہے کہ وہ امریکی عدالت کے فیصلے کو نظر انداز کر کے باہمی تعلقاتِ زوجیت بحال رکھیں۔ اور امریکی قانون اگر اس میں مخل ہو تو پاکستان واپس آجائیں۔ اگر بنا بہ کسی صورت ممکن نہ ہو تو بھی پاکستانی عدالت کے مسلمان جج کے سامنے اپنا مقدمہ پیش کر کے فیصلہ کرائیں۔ بچوں کی تولیت کا حق والد کو حاصل ہو گا۔

۳۔ پاکستان میں تفریقِ نکاح یا طلاق کی صورت میں بچوں کی ولادت کے وقت جو تحائف ملے ہوں اُن کے بارے میں زوجین کے خاندان کا عُرف اور رسم و رواج دیکھا جائے گا اور اُس پر عمل ہو گا۔ اگر یہ غیر واضح ہو تو بہتر یہ ہے کہ نصفا نصف تقسیم ہو جائے۔ مہر کی ادائیگی یا واپسی کا مسئلہ پاکستانی عدالت طے کرے گی۔

(ملک غلام علی)

# مطبوعات

**مولانا گلزار احمد مظاہری** مؤلف : پروفیسر اعجاز فاروق اکرم (اندر حرفِ آغاز کے خاتمے پر مرتبین لکھا ہوا ہے۔) ۔ ناشر : مطبوعات علماء اکیڈیمی (منصورہ، لاہور) سفید کاغذ پر اچھی طباعت ۔ صفحات : سوا پانچ سو سے زائد، مجلد قیمت ۸۸/- روپے (آج کے حالات میں بہت ارزاں) ۔

بڑی اہمیت کی بات ہے کہ اپنے جدا ہونے والے بزرگوں اور دوستوں کی شخصیتوں اور خدمات کو قلمی نقوش میں محفوظ کر لیں ۔ اس طرح علم، فکر و نظر، عشقِ مقصد، اسالیب کار اور شائستگیٔ اطوار اور درخشانیٔ کردار کی مثالیں ہمارے سامنے رہیں گی ۔ خدا کا شکر ہے کہ بڑی حد تک یہ کام ہو رہا ہے ۔

مولانا گلزار احمد مظاہری سہارن پور سے علوم کا خزانہ لے کر تحریک اسلامی میں آئے اور اُسے لٹانے میں مصروف ہو گئے ۔ انہوں نے نہ صرف اپنی موثر خطابت کے ذریعے حقائق دینی کو اپنے رفقاء اور عوام تک پہنچایا بلکہ اس مقصد سے لسانی اور خطابتی لحاظ سے ایسے ایسے اسلوب اختیار کیے جو ہر قسم کے ماحول کے لحاظ سے اہمیت رکھتے ہوں ۔ کمال یہ ہے کہ انہیں بہت سے اکابر کا انداز خطابت اس طرح ذہن نشین تھا کہ اگر ان کی ثقاہت مانع نہ ہوتی تو وہ ان کی خطابتی تصویریں کھینچ دیتے ۔

ایک خط میں وہ اپنے عزیز صاحبزادے فرید احمد کو لکھتے ہیں کہ :

" اگر انسان ہدایت ربّانی کے تحت اپنی زندگی بسر کرتا ہے تو وہ انسان بھی ہے اور اپنی ذات، اپنے اقرباء، اپنے پڑوسیوں، شہریوں، ہم وطنوں

اور تمام عالمِ انسانیت کے لیے مفید ہے۔" (ص ۵۱۸)

اسی سلسلۂ کلام کا اختتام یوں کیا کہ:

" انہی اُمور کے پیشِ نظر میں نے اپنی زندگی عمومی طور پر بھی اور خصوصی طور پر بھی ان اُمور میں لگائی۔ تعلیمی، تبلیغی دائرہ میں کام کیا..... جماعت اسلامی میں شمولیت اس کام کے لیے تھی، جامعہ قاسم العلوم اس کام کے لیے بنایا، اتحاد العلماء کی تشکیل اسی کام کے لیے کی۔" (ص ۵۱۹)

جامعہ قاسم العلوم کے علاوہ مولانا گلزار احمد مظاہری کے دو بہت بڑے کارنامے ہیں ایک علماء اکیڈیمی منصورہ کا قیام، جہاں چندماہ کے کورس کے لیے جدید اور قدیم زیرِتعلیم (یا تعلیم یافتہ) نوجوان جمع ہوتے ہیں اور دونوں اطراف کے ماہر اساتذہ کی رہنمائی میں باہمی تبادلۂ علوم کرتے ہیں۔ یعنی دو دریا اس اکیڈیمی میں آکر مل جاتے ہیں (مرج البحرین) یہ تخیل ایک وسیع شکل میں ہمیشہ جماعت اسلامی کے سامنے رہا۔ مگر کام اتنا بھاری تھا کہ عمل میں نہ آسکا۔ مظاہری صاحب نے اُس منصوبے کا ایک خلاصہ ذہن میں تیار کیا اور مختصر وقت کے لیے محدود پروگرام اسی مقصد کے لیے طے کر لیا۔ کام اب جاری ہے۔

دوسرا بڑا کام اتحاد العلماء کا قیام ہے اور یہ اُس طعنے کا اچھا عملی جواب ہے کہ علماء متحد نہیں ہوتے اور صرف اختلاف ہی کر سکتے ہیں۔

مولانا مظاہری میں شخصی طور پر جذبۂ محنت و قربانی موجود تھا، سادگی سے زندگی گذار دی، مگر اُن کی سادگی خوشنما تھی۔ قرأت میں کچھ لَے بھی ہوتی، طبیعت میں کچھ مزاح بھی تھا۔

اس کتاب کے مرتب (یا مرتبین) نے فہرست میں ان لوگوں کے نام درج نہیں کیے جن کی تحریریں جمع ہیں۔ علاوہ ازیں مولانا مظاہری کے خطوط بہت کم شاملِ کتاب ہیں، اعلان کرکے اور جگہ جگہ جا کر لوگوں سے یہ جواہر سمیٹنے چاہئیں تھے۔

مگر یہ چھوٹی باتیں ہیں۔ یہ کتاب بڑی چیز ہے اور اہلِ ترتیب اور اہلِ نشر اور اہلِ مطالعہ کو مبارک ہو۔

---

**دُنیا میں مُسلم اقلیتیں ۲ حصّے**

از جناب ثروت صولت، باہتمام ادارہ معارف اسلامی، کراچی۔ ناشر: ادارہ معارف اسلامی، منصورہ، لاہور

تقسیم کنندگان: المنارہ بک ڈپو، منصورہ، لاہور۔ پوسٹل کوڈ نمبر ۵۴۵۷۰۔ سفید کاغذ، اچھی طباعت، تزئین کردہ سرورق، دبیز آرٹ پیپر، صفحات حصّہ اوّل ۴۲۴، قیمت: ۷۵/- روپے۔ حصّہ دوم صفحات ۳۸۴، قیمت: ۷۲/- روپے۔

ثروت صولت صاحب بہ حیثیت مصنّف و مترجم ہمارے دوستوں میں بڑی قابلِ قدر شخصیت ہیں، اور ان سے کام لینا اور ان کے تیار کردہ مسودوں کو بروقت سامنے لانا اور ان کی قدر افزائی کرنا ہمارے لیے لازم ہیں۔ خصوصاً ترکی زبان کے لحاظ سے تو وہ خاص اہمیت رکھتے ہیں۔

اس کتاب میں ثروت صولت صاحب نے بہت سے مطالعہ و کاوش کے بعد ۱۰۴ ممالک کی مسلم اقلیتوں کے احوال لکھے ہیں۔ ۳۶ ممالک ایسے ہیں جن میں مسلمانوں کی اکثریت بھی ہے اور وہ آزاد بھی ہیں۔ دوسری طرف فلسطین اور اشتراکی دُنیا کے دس مُسلم اکثریتی علاقوں کو باوجود ان کی آزادی سے محرومی کے شامل کیا جائے تو تعداد ۴۷ ہو جاتی ہے۔ جناب مؤلف ان ممالک کے مسلمانوں کے حالات ملتِ اسلامیہ کی مختصر تاریخ میں پیش کر چکے ہیں۔

ایک سو سے زائد ممالک میں مسلمان اقلیتی مقام پر ہیں، مگر بعض جگہ وہ بہت بڑی اقلیت کی حیثیت رکھتے ہیں۔ بعض ممالک میں متوسط اور بعض میں بہت چھوٹی اقلیت کے مرتبے پر ہیں۔

مسلم اقلیت کے سارے ملکوں میں مسلمانوں کی تعداد اور ان کی شخصیتوں اور تحریکوں اور علمی، تعلیمی یا سیاسی سرگرمیوں اور آفت رسیدگیوں کا بیان مختصر تاریخی رودادوں کی صورت میں پیش کیا ہے۔ تمام ضروری اعداد و شمار موجود ہیں۔ یورپ اور بعض دوسرے علاقوں میں جہاں اسلام کا پھیلاؤ کچھ عرصے سے شروع ہوا ہے اور بعض جگہ تعدادیں بہت بڑھ گئی ہیں۔ (مثلاً امریکہ میں ۶۰ لاکھ مسلم ہیں) وہاں مسجدوں اور اسلامی سنٹروں

کی تعمیر اور تبلیغی، تعلیمی اور قرآنی تدریس، نیز اشاعتی مہمات، کیسٹوں کے سلسلے اور ٹیلی وژن تک پر وقت غریدنے کی مثالیں موجود ہیں۔

یہ کتاب معلوماتی ہی نہیں، تاریخی حیثیت بھی رکھتی ہے اور ایمان پرور بھی ہے۔ (ن۔ ص)

---

**تاریخ جہاد کشمیر** مصنف: ڈاکٹر ایچ۔ بی۔ خان۔ ناشر: المحمد اکادمی ۵/۱۴ اسی لیاقت آباد، کراچی نمبر ۱۹۔ صفحات: ۱۲۸، قیمت: ۴۰/ روپے مجلد۔

اس کتابچے میں کشمیر کا جغرافیائی اور تاریخی پس منظر بیان کرنے کے بعد ۴۸-۱۹۴۷ء کے جہاد کشمیر کے حالات و واقعات بیان کیے گئے ہیں۔ جہاد کی شرعی حیثیت پر بحث ہے۔ اور جہاد کشمیر کے بارے میں مولانا مودودیؒ اور مولانا شبیر احمد عثمانیؒ کے درمیان ہونے والی مراسلت کے بعض حوالے درج ہیں۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ کے پس منظر میں مسئلہ کشمیر پر روشنی ڈالی ہے۔ کشمیری مسلمانوں پر ہونے والے بھارتی ظلم و ستم کا تذکرہ بھی ہے۔ مگر ۱۹۹۰ء کے جدید دردناک حالات اس میں نہیں آسکے۔ (م۔ ا)

---

**جداگانہ نظام تعلیم** مرتبہ: روبینہ ناز۔ ناشر: شعبۂ تصنیف و تالیف، اسلامی جمعیت طالبات، پاکستان۔ صفحات: ۷۸۔ قیمت درج نہیں۔

مختلف اہل قلم کے لکھے ہوئے آٹھ مضامین پر مشتمل یہ کتابچہ خواتین کے لیے جداگانہ تعلیم کے حوالے سے ترتیب دیا گیا ہے۔ مخلوط تعلیم کے نقصانات واضح کیے گئے ہیں۔ اور خواتین کے لیے الگ یونیورسٹی کے قیام کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے۔ بروقت اور مفید مجموعہ ہے۔ (م۔ ا)

---

**قرآن کی باتیں** | مصنّف: سید نظر زیدی - تقسیم کنندہ: ادارہ معارف اسلامی منصورہ، لاہور - ضخامت: ۹۶ صفحات - قیمت: ۱۸/ روپے۔

قرآن کی باتیں حصہ دوم میرے سامنے ہے۔ اس میں مصنّف نے پیارے پیارے ننھے منّے بچوں کے لیے خوب صورت مہکتے مُسکراتے پھولوں کا ایک گلدستہ پیش کیا ہے، جس میں رنگا رنگ قسم کے پھول مختلف عنوانات کے تحت سجائے ہیں مثلاً آپس کی باتیں، بزرگوں کا ادب، جھوٹی گواہی دینا گناہ ہے، بُرا نام نہ رکھو، ہمیشہ اچھی بات کہو، سب مسلمان بھائی بھائی ہیں، نیک کاموں میں شرکت، سلام کرنا وغیرہ بچوں کے ادب میں ایک نہایت مفید اضافہ ہے۔ بچوں کو اچھے کاموں میں شرکت کرنی اور بُرے کاموں سے بچنا چاہیے۔ ایسے کاموں کے لیے یہ کتاب بہت اچھی کتاب ہے۔ (ع۔و۔ع)

---

**مغربی نظامِ تعلیم** | از جناب پروفیسر سید محمد سلیم - ناشر: ادارہ تعلیمی تحقیق تنظیم اساتذہ پاکستان - صفحات: ۱۰۴ قیمت: ۲۵/ روپے

جناب پروفیسر سیّد محمد سلیم صاحب ایک اعلیٰ محقق اور ماہر تعلیم ہیں۔ فنِ تعلیم پر آپ کی ایک درجن سے زائد تصانیف موجود ہیں۔ زیرِ نظر کتابچہ ان کے دو مقالات کا مجموعہ ہے۔ یعنی "مغربی نظامِ تعلیم ملّی نقطۂ نظر سے" اور "ہمارا نظامِ تعلیم تاثرات و تجاویز"۔ اِن مقالوں میں ہمارے ہاں کے جدید نظامِ تعلیم کے تاریخی پس منظر، اس کے اغراض ومقاصد اور اس کے نقائص ومعائب پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔ بالخصوص پاکستان کے تعلیمی تناظر میں مضامین، نصاب، طلبہ اور اساتذہ کے بارے میں ماہرانہ گفتگو کی گئی ہے۔ اصلاحِ احوال کے لیے مثبت تجاویز بھی شامل ہیں۔ (رفیق چوہدری)

---

| | |
|---|---|
| مثنوی - باب فضل و برکت | تصنیف : ابوسعید حیرت جلال پوری - ناشر: مکتبہ بیت الکتاب |

راجپوت ہاؤس جلال پور - ضخامت : ۷۸ صفحات ۱۸×۲۲/۸ غیر مجلد

قیمت : دعائے خیر -

ابوسعید حیرت جلال پوری ایک کہنہ مشق شاعر ہیں - موصوف نے اس مثنوی میں گوجرانوالہ پنجاب پاکستان کے مشہور دیندار صنعت کار میاں محمد رفیق انور کی والدہ محترمہ کی سیرت اور کچھ خاندانی حالات بیان کیے ہیں - محترم شاعر کی یہ کاوش بظاہر تعلقِ خاطر کی بات ہے ، لیکن جو چیز اسے عام قارئین کے لیے قابلِ مطالعہ بناتی ہے ، وہ مرحومہ اور ان کے فرزندوں کی بلند کرداری اور جذبۂ خدمتِ خلق ہے - اس مثنوی میں مندرج حالات پڑھتے ہوئے یہ یقین پختہ ہوتا ہے کہ اللہ کی رحمت شاملِ حال ہو جائے تو ذرّہ آفتاب بن جاتا ہے -

معلوم نہیں کہ کس وجہ سے حیرت صاحب نظر ثانی کی زحمت گوارا نہیں فرما سکتے - نتیجہ یہ کہ اس مثنوی میں سقم رہ گئے ہیں - (نظر زیدی)

---

| | |
|---|---|
| حضرت خدیجۃ الکبریٰ | از جناب علی اصغر چوہدری - ناشر: حرا پبلی کیشنز ، اردو بازار |

لاہور - صفحات : ۱۲۸ ، قیمت ۲۱/- روپے

یہ مختصر کتاب اُم المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے سوانح حیات پر مشتمل ہے - اندازِ بیان نہایت شستہ اور دلچسپ ہے - اگرچہ اس کے تمام مآخذ اُردو زبان کے ہیں - اس لیے ثانوی ہیں تاہم تحقیق کا معیار عمدہ ہے - ہر طبقے کے مسلمانوں کے لیے ایک قابلِ مطالعہ چیز ہے اور فکر و عمل کے لیے ایک اعلیٰ نمونہ ہے -

(رفیق چوہدری)

---

## وفیات

(۱)

# الٰہی! عاقبت محمود گرداں!

برادر رفیق و بزرگ میاں طفیل محمد صاحب کی اہلیہ مکرمہ محمودہ بیگم صاحبہ ۴ نومبر ۱۹۹۰ء کو وضو کر کے نماز مغرب ادا کرنے کو کھڑی ہوئیں تو پہلی رکعت مکمل کر لی لیکن دوسری رکعت میں کھڑے ہونے کے بعد گر پڑیں اور یہ ایک ایسا سجدہ تھا کہ جس نے بھاوج مرحومہ کو خدا تعالیٰ کے آستانہ آخرت پہ پہنچا دیا۔ خدا ان کے لیے آخرت کی منزلیں سنوارے۔

اس تذکرۂ غم کے ساتھ میں یہ بھی بیان کرنا چاہتا ہوں کہ محترم میاں صاحب اور میں نے پٹھانکوٹ سے مرکز سے وابستگی کا دور شروع کیا اور پاکستان میں آکر بھی ہم دونوں مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کے ساتھ اور قریب رہے، یہاں تک کہ ان کا جنازہ پڑھنے کا لمحۂ سخت سروں سے گذرا۔

اس دوران میں ایک زمانہ وہ تھا کہ جب ۱۲۔شاہ جمال اچھرہ کی ایک بڑی کوٹھی کرایہ پر لے کر اس کے چھوٹے چھوٹے تین حصے کر کے درمیانی حصے میں میاں صاحب، مشرقی حصے میں راقم الحروف اور مغربی حصے میں برادرم عبدالوحید خاں نے یک جائی رہائش اختیار کی۔ اور اب پھر چند سال سے میں اور میاں صاحب اور ہم دونوں کے اہل خانہ اکٹھے وقت گذار رہے ہیں۔ اس تذکرے سے میرا مقصود یہ عرض کرنا ہے کہ میاں طفیل محمد تو مسلسل سامنے رہے، مگر ان کے گھر کا ایک دیوار بیچ کے پڑوس میں ہونا اور دونوں طرف (بلکہ تینوں) کے اہل و عیال کا میل جول اتنا قریبی اور زیادہ رہا کہ ہم ایک دوسرے

کی گھریلو زندگیوں کی مہک سے واقف تھے۔ اس رفاقت کے ساتھ میں یہ شہادت دیتا ہوں کہ میاں صاحب کی طرح ان کی مرحومہ بیگم صاحبہ نیکی اور بھلائی کا سرچشمہ تھیں اور تحریکِ حق سے ان کی قلبی وابستگی تھی، نیز اپنے پڑوسیوں کے لیے ان کا رویّہ کریمانہ تھا۔ میاں صاحب اور ان کی بیگم مرحومہ کے کرداروں کی روشنی کا یہ فیض جب سے اب تک دیکھا کہ اُن کے بیٹے اور بیٹیاں دین کے خادم، خوش خلق اور بلند کردار رہیں۔ تربیتِ اولاد میں یقیناً میاں صاحب کا بڑا حصّہ ہوگا، مگر ان کے اوقات کا زیادہ حصّہ چونکہ دفتر، میٹنگز، سفر، مطالعہ اور تفویض شدہ تحریری کاموں میں گذرتا تھا، اس لیے بچوں کے لیے گھر کے ادارے کو اسلامی معیار کی کردار سازی کے قابل بنانے کا زیادہ کریڈٹ ہماری مرحومہ بہن جناب محمودہ بیگم کو جاتا ہے۔ اسلامی معیار کے لحاظ سے امومیت کا یہ اعلیٰ نمونہ ہے۔ اور اب یہ اولاد ان کے لیے بھی بہت بڑا صدقہ جاریہ ہے اور میاں صاحب کے لیے بھی۔ یہ اولاد عبادت، نیکی، خوش اخلاقی اور تعمیلِ احکامِ شریعت پر جس قدر بھی کاربند ہوگی، اُس کا ثواب خود اُن کو بھی ملے گا اور اسے تربیت دینے والوں کو بھی۔ ان بچوں نے ہمارے بچوں کے ساتھ جس طرح کا سادہ اور غریبانہ بچپن گذارا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے۔

اِس غم انگیز واقعۂ دردو اَلَم میں مرحومہ کے اہلِ خانہ و خاندان کے علاوہ ہزارہا وابستگانِ تحریک بھی حصّہ دار ہیں۔ خود مجھے ایسا محسوس ہوتا ہے، جیسے اِس واقعہ کا براہِ راست مجھ سے تعلق ہو۔

یہ بات بھی مثالی تھی کہ مرحومہ محمودہ بیگم کے رُوح کے الوداع کہہ جانے پر ماتم و شیون کا کوئی شور نہیں اُٹھا بلکہ گھر والوں نے صبر کا نمونہ قائم کر کے

دوسرے تمام متعلقین اور شرکائے جنازہ و تعزیت کو صبر پہ قائم کر دیا۔ خدا صبر کو پسند کرتا ہے اور اس کی جزا دیتا ہے اور صبر پہ کاربند رہ کر جو لوگ اپنے جُدا ہونے والے اقربا کے لیے دُعائے مغفرت کرتے ہیں، اُن کی دُعا زیادہ قبول ہوتی ہے۔

آخر میں میری طرف سے، ادارۂ ترجمان القرآن کی طرف سے، رسالہ کے قارئین کی طرف سے اور رفقائے منصورہ و بیرون جات کی طرف سے مرحومہ کے لیے دُعا ہے کہ خدا ان کو اپنی جنتِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین!

(۲)

## ابواللیث بے لوث (مرحوم)

انسانی زندگی کا یہ کمال ہے کہ وہ موت کی کھنچی ہوئی تلوار کے نیچے ساری عمر گذارتے ہوئے رفعتوں میں بھی کمال حاصل کرتا ہے اور پستیوں میں بھی۔

مولانا ابواللیث اصلاحی نے بہت سی رفعتوں کی چوٹیوں کو سر کیا، مگر آخر وہ لمحہ آ پہنچا جب موت کی تلوار نے سانس کی ڈوری کو کاٹ دیا۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

جو دولت ہم سے چھنی ہے وہ گراں بہا تھی۔ عالمِ اسلامی کی سربرآوردہ شخصیت، جید عالم دین، ہندوستانی معاشرے کی پیچیدگیوں کے رمز شناس اور جماعتِ اسلامی ہند کی فکری اور عملی دوگونہ مشکلات کے رازداں، ۸۰ سال کی عمر میں دارالامتحان سے دارالجزاء میں جا پہنچے، اللہ تعالیٰ کی نگاہ کرم، مغفرت، رضا اور خوشنودی کے پھول اُن کی رُوح پہ برساتے ہوئے اُسے اس مبارک منزل کی طرف لے چلے جو خاص ہے رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کے لیے۔

یکم دسمبر کو اپنے وطن چاند پٹی میں دل کا دورہ پڑا، رات بارہ بجے

اعظم گڑھ ہسپتال میں لے جائے گئے ، ۲ دسمبر کی شام کو پھر دورہ ، پھر ڈاکٹر عرفان صاحب نے انہیں اپنے نرسنگ ہوم میں منتقل کر لیا ۔ دہلی کے مرکز جماعت کو اطلاع ۳ دسمبر کو ملی ۔ مرکز سے دو اصحاب روانہ ہو گئے ۔ ۳ اور ۴ کو دوا اور دعاؤں کا سلسلہ جاری رہا ، ۵ دسمبر کو بوقت صبح (دس بجے) انتقال ہو گیا ۔ یہاں منصورہ میں اطلاع پہنچی تو ساری فضا پر حزن و ملال چھا گیا ۔ یہاں سے ہمارے ایک محترم رفیق نے بھارت جانے کے لیے ویزا لینے کی کوشش کی ، مگر کامیاب نہ ہو سکے ۔ آخر FEX کے ذریعے لکھے ہوئے تاثرات بھیجے گئے اور بے بسی کے عالم میں دعائیں جاری رہیں ۔

مولانا ابواللیث جن کا اصل نام شیر محمد تھا ، تقسیم ملک کے بعد بھارت کی جماعتِ اسلامی کے اوّل روز سے امیر مقرر ہوئے ۔ اور مسلسل ۲۴ سال اس منصب پر فائز رہ کر مولانا مودودیؒ کے خالی کردہ مقام سے ارکان اور کارکنوں کی بحثوں اور الجھنوں کا مقابلہ بھی کیا اور پھر بھارت میں دعوتی اور سیاسی کام کے لیے وہاں کے حالات کے مطابق کچھ خطوط مجلس شوریٰ کی مدد سے معین کیے ۔ حکومت کی ترچھی نگاہوں کے ساتھ متعصب ہندوؤں کے مسلم کش فسادات کے طوفانوں کے درمیان ، اپنے رفقا کے ایمان و کردار کو مضبوطی سے بچائے رکھنا ، بلکہ اُلٹا مخالف قوتوں پر اپنے اخلاقی اصولوں اور معتدل مسلک کے ذریعے اثر انداز ہونا ، ایک ایسی صورتِ حال ہے کہ دنیا بھر میں تحریکِ اسلامی کے کارکنوں کو اس کا اچھی طرح سے مطالعہ کرنا چاہیے ۔

۷۲ء میں مولانا محمد یوسف صاحب امیر منتخب ہوئے ۔ مگر ۱۹۸۱ء میں دوبارہ رفقائے جماعت نے مولانا کو امیر جماعت اسلامی (بھارت) چنا اور وہ ۹ سال

اس منصب پر رہے۔

ابواللیث اصلاحی ندوی صاحب اور مولانا محمد یوسف صاحب کے مجموعی کام کے نتیجے میں نہ صرف اچھے معیار کے ارکان اور کارکن تیار ہوئے بلکہ وسیع لٹریچر، شعر و ادب کی تخلیق، اعلیٰ پایہ کے تحقیقی کام، مردانہ اور زنانہ درس گاہوں کا قیام، نصابی کتابوں کی تیاری، تبلیغی سرگرمیاں جن کا بہت بڑا ماحصل ہندوؤں کی ستائی ہوئی نیچ ذات کے ہندوؤں کا خاصی بڑی تعداد میں اسلام قبول کرنا (خصوصاً جنوبی ہند میں) اور ان کے لیے تعلیم و تربیت کا انتظام، ــــــ اور پھر بنیادی طور پر مخالف مزاج اکثریت کی حکومت کی زد سے بہ صد احتیاط اپنے حلقۂ اثر کو بچا کر نکالنا، اور اُردو، انگریزی اخبارات کو بھی اپنے اُصولی معیارات کی پابندی میں مسلسل جاری رکھنا، اتنا بڑا کارنامہ ہے کہ کبھی کبھی ہم آزاد اور اکثریتی مملکت والے مسلمانوں کو شرم سی محسوس ہوتی ہے۔

اس دردناک نقصان پر ہم اپنا اظہارِ درد اور اظہارِ ہمدردی اولاً جناب مولانا سراج الحسن موجودہ امیر جماعتِ اسلامی بھارت و قیم جماعت محمد جعفر صاحب اور ثانیاً جملہ برادرانِ مرکز، تمام رفقائے تحریک اور ثالثاً مولانا کے اہلِ خانہ و اہلِ خاندان سے کرتے ہیں۔ خدا مرحوم پر مغفرت نازل کرے۔

---

(۳)

## چوہدری محمد اسلم سلیمی صاحب کے لیے صدمہ

جماعت اسلامی پاکستان کے سیکرٹری جنرل محمد اسلم سلیمی کے داماد خالد محمود جو اُن کے بھانجے بھی ہیں اپنی والدہ اور بیوی بچوں کے ہمراہ ذاتی کار میں اپنے گاؤں برج کلاں ضلع قصور سے لاہور آرہے تھے کہ اُن کی کار کو سامنے

سے آنے والی کار نے ٹکر ماری اور یہ حادثہ اتنا شدید تھا کہ کار پچک گئی اور کار میں سوار تمام افراد شدید زخمی ہو گئے۔ موقع پر موجود ایک نیک دل شہری جاوید محمود شیخ نے دیگر لوگوں کی مدد سے کار کی باڈی کو کاٹ کر زخمیوں کو باہر نکالا اور انہیں جنرل ہسپتال پہنچایا لیکن راستے ہی میں چوہدری اسلم سلیمی کی ہمشیرہ زخموں کی تاب نہ لاتے ہوئے دم توڑ گئیں، جب کہ ان کی صاحبزادی راشدہ سلیمی ہسپتال پہنچ کر جان بحق ہو گئیں۔ تازہ اطلاع کے مطابق زخمی خالد محمود کی حالت اب خطرے سے باہر ہے جب کہ سات سالہ عمارہ خالد چار سالہ عمار خالد اور ایک سالہ حرا خالد شدید زخمی حالت میں جنرل ہسپتال میں داخل ہوئیں۔ اب یہ بچے منصورہ ہسپتال میں منتقل ہو گئے ہیں۔

اس المناک حادثے کی خبر سنتے ہی جماعتِ اسلامی پاکستان کے امیر سینیٹر قاضی حسین احمد، سابق امیر میاں طفیل محمد، نائب امیر چودھری رحمت الٰہی نائب سکرٹری حافظ محمد ادریس، صلاح الدین کاشمیری اور مرکز جماعت کے رہنما جنرل ہسپتال پہنچ گئے۔ جہاں انہوں نے چودھری اسلم سلیمی سے اس جانکاہ حادثے پر تعزیت کی اور گہرے رنج و غم کا اظہار کیا۔

مرحومین کی نماز جنازہ ۲۰ دسمبر کو بعد نماز ظہر برج کلاں نزد قلعہ گنڈا سنگھ ضلع قصور میں ادا کی گئی۔ نماز جنازہ محترم میاں طفیل محمد صاحب نے پڑھائی جس میں خرم مراد، چوہدری رحمت الٰہی نیز مرکز جماعت کے اور لاہور کے سینکڑوں رفقاء نے شرکت کی۔

اللہ تعالیٰ جدا ہونے والی دونوں خواتین کو رحمت و مغفرت سے نوازے اور زخمی خالد محمود اور ان کے زخمی بچوں کو صحت یاب کرے۔ آمین!

(۴)

## مزید حادثات

چوہدری محمد اسلم سلیمی صاحب کے خاندان کے متذکرہ حادثہ سے ذرا ہی پہلے مولانا خلیل حامدی ڈائرکٹر دارالعروبہ کی سالی منصورہ گیٹ کے باہر بس کی زد میں آکر جان بحق ہوگئیں ۔ خدا مغفرت کرے ۔ اس کے جلدی بعد مولانا عبدالملک شیخ الحدیث (دارالعلوم) کی کم عمر بچی کو بھی سڑک پر ایک گاڑی کی ٹکر لگی ، مگر خدا نے بچا لیا اور معمولی چوٹیں آئیں ۔ ایک دو روز ہسپتال میں گذارے ۔

مرضیاتِ الٰہی کے تحت یہ ساری آزمائشیں پیش آئیں ۔ خدا تعالیٰ آئندہ کے لیے خیریت رکھے ۔ آمین ۔

---

(بقیہ دینی جدوجہد کا اصل محور)

دعوتِ اسلامی کی اصل بنیاد انکارِ شرک اور احقاقِ توحید ہی ہے ۔ ان کی تمام جدوجہد میں اولین اہمیت اسی بات کی ہونی چاہیے ، ورنہ دوسری صورت میں اگر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ کسی علاقے میں غیر اللہ کے اسی طرح پکارے جانے اور ان ساری مشرکانہ اور جاہلانہ خرافات کے جاری رہنے کے باوجود وہاں اسلامی نظام آسکتا ہے اور آنے کے بعد قائم رہ سکتا ہے ، تو ان کو معلوم ہو جانا چاہیے کہ یہ بڑی خام خیالی ہے اور تاریخ و دعوتِ انبیاء سے عدم آگاہی کی علامت ہے ۔ صحیح بات یہ ہے کہ ان کے خاتمے کی تحریک ہی سے اقامتِ دین کے لیے راہ ہموار ہوگی ـــ اور ان شاء اللہ تحریکِ اسلامی کی فتح و نصرت کے بعد پہلی ضرب انہی شعائرِ جاہلیہ پر لگے گی ۔

---

REGD. NO. L 5340 PHONE : 324468

MONTHLY TARJUMAN-UL-QURAN LAHORE

جاری کردہ: مولانا سیّد ابوالاعلیٰ مودودیؒ

# ماہنامہ ترجمان القرآن

## رودادِ اجتماعِ عام

- افتتاحی خطاب
- کلیدی خطاب
- خطاب جلسۂ عام
- اختتامی خطاب

**قاضی حسین احمد، امیر جماعت اسلامی**

- رپورٹ جماعتِ اسلامی پاکستان، ۸۳ء۔۸۹ء
(قافلۂ حق کی چھ سالہ رودادِ سفر)
- اعلامیہ

# اجتماعِ عام نمبر ۸۹ء

## دیگر تقاریر

- دروس قرآن و حدیث
- انقلابی کردار: ایمان، جہاد اور دعوت
- انقلابی جماعت: رُحَمَاءُ بَیْنَھُمْ
- پاکستان میں جماعتِ اسلامی کا کردار
- اسلامی انقلاب میں خواتین کا کردار
- نوجوان — اسلامی انقلاب کا ہراول دستہ
- ہم اس ملک میں کیا معاشی تبدیلیاں لائیں گے؟
- بین الاقوامی مندوبین

## مقررین

میاں طفیل محمد ○ مولانا جان محمد عباسی ○ پروفیسر غفور احمد
چوہدری رحمت الٰہی • پروفیسر خورشید احمد • خرم مراد
نعیم صدیقی ○ مولانا خلیل احمد حامدی ○ مولانا گوہر رحمٰن
مولانا فتح محمد • حافظ محمد ادریس • لیاقت بلوچ
سید منور حسن ○ ایوب ٹھاکر ○ ڈاکٹر صیام

- ٹائیٹل، دیدہ زیب
- کتابت، کمپیوٹرائزڈ
- ضخامت، ۲۶۴ صفحات
- قیمت، -/۳۰ روپے
- لائبریری ایڈیشن، -/۴۵ روپے

ادارہ ترجمان القرآن (پرائیویٹ) لمیٹڈ
اردو بازار، لاہور
فون: ۳۲۴۴۶۸-۶۸۶۳۶ : پوسٹ بکس نمبر: ۱۴۴۳